[illegible]

[illegible] (کتب حدیث)

اشاعت نمبر ۱۵

سلسلہ ترجمہ نمبر ۱

اردو ترجمہ

تفسیر المعوذتین

تالیف

شیخ الاسلام حافظ ابن قیم الجوزی رضی اللہ عنہ

مترجمہ

مولینا عبدالرحیم صاحب استاذ شعبہ علوم مشرقیہ دارالعلوم پشاور

ایجنٹ و پبلشر

الہلال بکڈپو (دارالارشاد والترجمہ)

کشمیری بازار لاہور

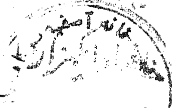
مالکان

ایم اے عزیز اسد کمپنی لاہور

[illegible] ۱۳۴۶ھ

تاجران کتب اسلامیہ [illegible] مطبوعات مصریہ و بیروت و استنبول [illegible]

قیمت [illegible]



بار اول

مطبوعاتِ الہلال بک ایجنسی لاہور

(۱) **اُسوۂ حسنہ** ترجمۂ ہدی الرسول اختصار زاد المعاد فی ہدی خیر العباد صلعم (تصنیف حافظ ابن قیم) اُسوۂ حسنہ کا ترجمہ مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی نے نہایت سلیس اور عام فہم اُردو میں کیا ہے۔ اسوۂ حسنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری پر ایک نہایت جامع اور بے نظیر کتاب ہے۔ رسول اللہ صلعم کا وجود مبارک حیاتِ طیبہ کا کامل نمونہ تھا۔ آپ مادی اور روحانی اصلاح و سعادت کے اصول و قواعد اپنے ساتھ لائے جو بعینہٖ قرآنی اُصول تھے جن کی پیروی و پابندی سے سلف صالح ترقی و تمدن، عظمت و شوکت کی معراج تک پہنچے اور جن کے ترک و ہجران نے مسلمانوں کو آج اُس بلندی سے اس پستی میں لا گرایا اور جہانگیری و جہانبانی کے بدلے اغیار کا محکوم و غلام بنا دیا۔ اسوۂ حسنہ میں نہ صرف جنگوں اور غزوات کے حالات، بلکہ آپ کے اخلاقی، معاشرتی اور خانگی حالات کی تفصیل کر کے اسوۂ نبوی کو کھول کر امت کے سامنے رکھ دیا ہے، تاکہ مسلمان زندگی کے ہر شعبہ میں اس سے شمع ہدایت کا کام لے سکیں۔ قیمت مجلد ۱۲؍ بلا جلد ۸؍

(۲) **اصحابِ صفہ** (تصنیف امام ابن تیمیہؒ) مترجمہ مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی۔ اس رسالہ میں نہایت صحیح اور مستند روایات سے ثابت کیا گیا ہے کہ اصحابِ صفہ تعداد میں کتنے تھے؟ ان کی وجہ معاش کیا تھی؟ اور یہ جو جہلا میں مشہور ہے کہ وہ تمام صحابہ سے افضل تھے، دف وغیرہ آلاتِ موسیقی یا قوالی کی آواز پر وجد کرتے تھے، تالیاں بجاتے اور ناچا کرتے تھے یا انہوں نے مشرکین کے ساتھ ہو کر مومنین کے خلاف جنگ کی، تو ان روایات کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ نیز اولیاء اللہ، قطب، ابدال، قلندر، نذر، منت، رقص و سرود وغیرہ اہم مباحث کی نسبت نہایت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ قیمت - - - - - - ۱۰؍

(۳) **العروۃ الوثقیٰ** (از امام ابن تیمیہؒ) خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ و وسیلہ کی ضرورت، کتاب و سنت سے واسطہ کی حقیقت اور مطلوب و مفہوم کی تشریح، خالق و مخلوق اور بادشاہ و رعایا کے مابین واسطہ کا فرق، فضیلتِ شفاعت، اُسلوبِ دعا، اسلام کی خالص توحید، کتاب و سنت کی شرک سوز تصریحات اور مسلمانوں کے عقاید و اعمال میں غیر اسلامی عناصر کی جو افسوسناک آمیزش ہو گئی ہے، اُن کے معلوم کرنے کے لئے اس بے نظیر رسالہ کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی ضرورت ہے۔ قیمت - - - - ۶؍

(۴) **تفسیر سورۃ الکوثر** - (مصنفہ امام ابن تیمیہؒ) مترجمہ مولانا عبد الرزاق۔ سبحان اللہ! سورۂ کوثر کی اس کی تفسیر کیا ہی خوب ہے، شیدایان علوم کتاب و سنت کے لئے خود کوثر و سلسبیل کا حکم رکھتی ہے۔ شیخ الاسلام نے چند سطروں میں ایک دفترِ معانی سمیٹ کر رکھ دیا ہے، کوزہ میں دریا نظر آتا ہے۔ اس کے مطالعہ سے نئے نئے نکات و معانی نکلتے ہیں۔ نہایت عجیب چیز ہے۔ قیمت - - - - ۳؍

(۵) **ائمۂ اسلام** - (مصنفہ امام ابن تیمیہؒ) مجتہدین کرام کے اجتہاد پر مفصل بحث۔ قیمت ۱۲؍

(۶) **خلاف الامہ** - (از امام ابن تیمیہؒ) امتِ محمدی کے اختلاف کے متعلق تنقیدی بحث۔ قیمت ۵؍

ملنے کا پتہ: الہلال بک ایجنسی کشمیری بازار لاہور

فہرست مضامین کتاب تفسیر المعوذتین

تمت



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اکابر اُمت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن حکیم کی تفسیر میں حضرت شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے شاگرد رشید حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح اصول و مبانی کو جس حد تک پیش نظر رکھا ہے اور ٹھیک ٹھیک استعمال کیا ہے اُس کی نظیر گزشتہ چھ سات سو سال کی اسلامی تصانیف میں کہیں نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ ان بزرگوں کی عام تصانیف کو علی العموم اور تفسیری تصانیف کو علی الخصوص اسلامی حلقوں میں بڑی قدر و منزلت حاصل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امام ابن تیمیہؒ نے قرآن حکیم کی ایک مکمل اور مبسوط تفسیر لکھی تھی جو دست بُردِ زمانہ کی نذر ہو گئی اور آج چند ٹکڑوں کے سوا اس بیش بہا ذخیرہ میں سے ہمارے پاس کچھ بھی نہیں۔ مثلاً تفسیر سورۂ نور، تفسیر سورۂ اخلاص اور تفسیر سورۂ کوثر وغیرہ۔ حافظ ابن قیم، عام تصانیف میں بھی اور تفسیری تصانیف

میں بھی اپنے شیخ واستاذ کا نہایت صحیح اور مکمل پرتو تھے یہی وجہ ہے کہ انکی تصانیف کو بھی امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی وسعت علم ونظر اور اجتہادِ فکر وخیال کا ایک بدیع کرشمہ سمجھا جاتا ہے۔ امام موصوف نے قرآن حکیم کی دو آخری سورتوں یعنی "معوذتین" کی ایک مختصر سی تفسیر لکھی تھی جو رسائل کبریٰ میں چھپ گئی ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے مزید تفصیلات کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے معوذتین کی تفسیر کے متعلق ایک مستقل کتاب لکھی جس میں ان سورتوں کے تمام حقائق ومعارف کو نہایت صاف، واضح، عمدہ اور سہل انداز میں بیان فرما دیا۔ جو کتاب اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے، یہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی محولہ بالا کتاب کا اُردو ترجمہ ہے اور اس غرض کو پیشِ نظر رکھ کر ترجمہ کر دیا گیا ہے کہ اُردو داں اصحاب بھی اس نادر ذخیرۂ حقائق ومعارف سے آگاہ ہو سکیں۔ کتاب کے مباحث کے متعلق کچھ عرض کرنا تحصیل حاصل ہے اسلئے کہ اصل کتاب سامنے ہے۔

دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس قسم کی بہت سی کتابوں کے چھپوانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہماری اس ناچیز اسلامی خدمت کو شرفِ قبول بخشے۔ ع

ویرحم اللہ عبداً قال امینا

لاہور

۱۹- دسمبر ۱۹۳۶ء

عبد العزیز اقدمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ اجمعین

باب (۱)

تفسیر المعوذتین

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝۱
مِن شَرِّ مَا خَلَقَ ۝۲ وَمِن شَرِّ
غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ ۝۳ وَمِن شَرِّ
النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ ۝۴ وَمِن شَرِّ
حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ۝۵

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝۱ مَلِكِ
النَّاسِ ۝۲ إِلَٰهِ النَّاسِ ۝۳ مِن
شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝۴
الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ۝۵
مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝۶

فصل اوّل

ما جاء فی الحدیث

شانِ نزول

امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں عقبہ بن عامرؓ سے روایت کی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "کیا تمکو وہ آیتیں معلوم نہیں جو آج کی رات نازل ہوئیں اور جن کی مثال اس سے پہلے نہیں دیکھی گئی۔ وہ آیتیں یہ ہیں۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ"۔ ایک دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں "آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہؓ مذکور سے مخاطب ہو کر فرمایا کیا میں تمہیں وہ کلمات بتاؤں جو اُن تمام کلمات سے بہتر ہیں جن کے ذریعہ سے کبھی کسی پناہ مانگنے والے نے پناہ مانگی ہو"۔ عقبہؓ کہتے ہیں، میں نے عرض کیا، ہاں یا رسول اللہ! ضرور فرما دیجے۔ آپ نے فرمایا، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ"۔

ترمذیؒ نے عقبہ بن عامر سے ایک روایت درج کی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکو ہر ایک نماز کے بعد مُعَوَّذتین (سورۂ فلق اور سورۂ ناس) پڑھنے کا حکم دیا۔ ترمذی، نسائی، اور ابو داؤد میں عبد اللہ بن حبیبؓ سے روایت ہے کہ ہم ایک اندھیری رات میں جبکہ بارش ہو رہی تھی اسلیے اپنے گھروں سے نکلے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کریں۔ ہم آپؐ کی حضور میں پہنچے تو ارشاد ہوا "کہو (کیا کام ہے؟)" میں چپ رہا۔ آپؐ نے پھر فرمایا "کہو"۔ میں پھر بھی چپ رہا تو آپؐ نے یوں ارشاد فرمایا: "صبح و شام قُلْ ہُوَ اللہُ اَحَد اور مُعَوَّذتین پڑھا کرو، تم ہر ایک قسم کے شر سے محفوظ رہو گے"۔ ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن صحیح[1] کے نام سے موسوم کیا ہے۔

---

[1] ترمذی کی اصطلاح میں حسن اُس حدیث کو کہتے ہیں جس کا سلسلۂ روایت ایک ہی راوی کی روایت تک محدود نہ ہو بلکہ اس مضمون کو مختلف راویوں نے روایت کیا ہو۔ برخلاف اس کے جب کسی حدیث کا مضمون ایک ہی راوی نے بیان کیا ہو تو اس کو حدیث غریب کہتے ہیں۔ مترجم

نیز ترمذی نے بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنوں کے شر سے اور آدمیوں کی نظر بد سے پناہ مانگا کرتے تھے، لیکن جب معوذتین نازل ہوئیں تو آپ نے انہی کا پڑھنا اپنا معمول بنا لیا۔ اور دوسری تمام عبادتوں کو چھوڑ دیا" ترمذی کا قول ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اسی کے ہم معنی ایک حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے۔

خواص

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سو جانا چاہتے تھے تو قُل ہُوَ اللّٰہُ اَحَد اور مُعَوِّذَتین کو پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر پھونکتے تھے۔ جس کے بعد اپنے منہ پر اور اپنے جسم کے تمام حصوں پر جہاں تک آپ کا دست مبارک پہنچ سکتا تھا پھیر لیتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ بیمار ہوئے تو آپ نے مجھکو ایسا کرنے کا حکم دیا" میں کہتا ہوں (یہ حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے) کہ حضرت یونس نے بروایت زہری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث کا آخری حصہ اسی طرح نقل کیا ہے۔ لیکن امام مالک رح نے بروایت زہری اس طرح نقل کیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار ہوتے تھے تب بھی مُعَوِّذَتین پڑھ کر اپنے اوپر دم کرتے تھے، لیکن جب آپ سخت بیمار ہوئے تو میں آپؐ کی طرف سے یہ سورتیں پڑھ کر خود آپؐ کے دست مبارک پر پھونک کر اُس کو آپؐ کے جسم پر پھیر دیا کرتی تھی۔ جس سے میرا مقصد حصولِ برکت تھا" اسی طرح معمر نے بھی زُہری سے اسی کے موافق روایت کی ہے۔

معمر کی یہ روایت صحیح بخاری میں ہے۔ اور یہی روایت صحیح معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا از خود یہ فعل کیا کرتی تھیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم نہیں دیا تھا۔ البتہ ایسا کرنے سے منع بھی نہیں فرمایا۔ لہٰذا اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آں حضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضؓ سے جھاڑ پھونک کی درخواست کی۔ ممکن ہے کہ بعض راویوں نے اس کی روایت بالمعنی کی ہو اور راوی کا یہ خیال ہو کہ چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپؐ کے علم سے ایسا کرتی تھیں اور آپؐ نے کچھ اعتراض نہیں فرمایا، اسلیئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپؐ نے جھاڑ پھونک کرائی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو صرف اتنا حکم دیا ہو کہ وہ آپؐ کے جسم مبارک پر آپؐ ہی کا ہاتھ پھیر دیا کریں، کیوں کہ آپؐ (آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم) مرض سے کمزور ہو جانے کے باعث اپنے جسم کے تمام حصوں پر اپنا ہاتھ نہیں پھیر سکتے تھے۔ اسلیئے آپؐ نے حضرت عائشہ رضؓ کو حکم دیا کہ وہ اِس بارے میں آپؐ کی مدد کریں۔ اِس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ نے اپنا ہاتھ حضرتؐ کے جسم مبارک پر پھیرا[عـه]۔

تلخیص مضامین

بہرکیف یہاں پر مقصود اِن دونوں سورتوں کا عظیم نفع بیان کرنا ہے اور یہ کہ ہر شخص کے لیئے اِن کا سیکھنا لازم ہے۔ جادو، نظر بد اور ہر ایک قسم کا شر دفع کرنے کے لیئے اِن میں ایک عجیب و غریب تاثیر رکھی گئی ہے۔ اگر کسی آدمی کو اپنا تنفس قائم رکھنے اور کھانے پینے کی ضرورت ہے تو اِن سورتوں کا سیکھنا اور اِن کے ذریعہ سے ہر ایک قسم کے شر سے پناہ مانگنا اِس سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

اِن دونوں سورتوں کا مضمون استعاذہ (پناہ مانگنا) ہے جس کے متعلق تین باتوں کا سمجھنا اور یاد رکھنا لازم ہے:۔

(۱) استعاذہ یعنی پناہ مانگنا۔

(۲) مستعاذ بہٖ یعنی جس کے ساتھ پناہ لی جاتی ہے۔

عـه ایک صحیح حدیث میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متوکلین کی بعض علامات بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ وہ جھاڑ پھونک نہیں کراتے۔ چوں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً سید المتوکلین تھے، اسلیئے مصنف علیہ الرحمہ اس سے آپؐ کو بری قرار دینا چاہتے ہیں۔ اور اِن کے اسقدر طول کلام کا ماحصل یہی ہے — مترجم

(۳) مستعاذ منہ یعنی جس سے پناہ لی جائے۔

ان تینوں کی تفصیل معلوم کر لینے سے تم کو ان سورتوں کی اہمیت واضح ہو جائیگی، اس لیئے ان کی تشریح کے لیئے الگ الگ بحث کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

فصل دوم

استعاذہ

لمعانی

اس لفظ کا مادہ عَوْذٌ ہی۔ جس کا مفہوم لغت میں یہ ہی کہ کوئی چیز جس کو تم پسند نہیں کرتے ہو اُس سے بھاگ کر کوئی ایسی پناہ ڈھونڈو جو اُس کے شر سے تم کو بچائے۔[1]

مثال

ایک لڑکا چلا جا رہا ہی، سامنے سے کوئی دشمن اُس کو مار ڈالنے کی غرض سے تلوار میان سے کھینچ کر اُس پر حملہ کرنے کیلیئے چل پڑتا ہی۔ لڑکا یہ حالت دیکھکر اور خوف زدہ ہو کر بھاگنا شروع کرتا ہی، راستے میں اُس کو اپنا مشفق باپ دکھائی دیتا ہی، جسے دیکھتے ہی وہ اُس سے چمٹ جاتا ہی۔ اور نجات کے لیئے اُس کا تمام تر بھروسا اپنے والد مہربان کی شفقت اور قوّتِ مُدافعت پر ہوتا ہی۔ اِسی طرح ایک مسلمان اپنے دشمن ایمان سے بھاگ کر اپنے رحیم خدا کی پناہ ڈھونڈتا ہی۔ بااین ہمہ یہ تمام تشریح صرف سمجھانے کیلیئے ہی، ورنہ اسکی حقیقت کی تعبیر سے الفاظ قاصر ہیں۔ استعاذہ کے وقت میں ایک مومن صادق کے دل پر تذلّل التجا اور تضرع کی جو خاص کیفیت طاری ہوتی ہی، وہ اپنے آپ کو اپنے رب تبارک تعالیٰ کے سامنے محض بے اختیار سمجھتا ہی۔ اور اسکی تمام تر نظر خدا کی قدرت کاملہ کی

---

[1] اس کے بعد مصنف علام نے عَوْذٌ کے مشتقات کو بیان کردہ مفہوم میں استعمال کرنے کی تائید میں ایک حدیث بیان کی ہی پھر اصل مادہ کے مفہوم پر بحث کرتے ہوئے اصل معنی اور مستعمل معنی میں تطبیق پیدا کرنے کی قابل قدر کوشش کی ہی جس کا بالاستیعاب نقل کرنا عام ناظرین کے لیئے چنداں دلچسپی کا موجب نہیں ہوگا۔ مترجم

کارسازیوں اور رحمت شاملہ کے کرشموں پر ہوتی ہے یہ ایک ایسی کیفیت ہے جس کا اظہار الفاظ اور عبارتوں میں نہیں ہوسکتا بلکہ اس کا تعلق ذوق اور وجدان سے ہے۔ اسی طرح مومن کے دل میں اللہ تعالےٰ کی سچی محبت اور اس کے خوف و جلال اور ہیبت کی جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کا ادراک بھی وہی لوگ کرسکتے ہیں جن کے دل میں یہ صفتیں پیدا ہوچکی ہوں لیا وصف اور بیان کا یہاں کچھ کام نہیں۔ چنانچہ ایک کمسن لڑکا حالات بعد از بلوغ کا صحیح ادراک نہیں کرسکتا۔

ایک سوال

یہ ایک معلوم بات ہے کہ جہاں کلام پاک میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ اس کی تعمیل اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے کہنے سے ہوگی، نہ کہ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ کہنے سے لیکن کیا وجہ ہے کہ معوذتین کے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ الخ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ الخ کی تعمیل کرتے ہوئے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۔ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ الخ کہا جاتا ہے؟[1]

جواب

یہی سوال بعینہٖ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا جس کے جواب میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قِیلَ لِی فَقُلْتُ مجھ سے یہی کہا گیا اور میں نے اسی طرح کہا۔ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اسلئے ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں جس طرح کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا۔ اس حدیث کو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ نیز صحیح بخاری میں ہے کہ زر بن حبیش، اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اس طرح مخاطب ہوا کہ اے ابا المنذر! آپ کا بھائی ابن مسعود رضی اللہ عنہ تو کچھ اور

اس کے بعد علامہ نے استعاذہ اور استغفار کی لفظی تحقیق کے سلسلہ میں ان کے درمیان ایک دقیق سا فرق بیان کیا ہے جس کا سمجھنا عربیت میں ماہر ہونے کے بغیر دشوار ہے۔ اس لیئے ہم اس لفظی تدقیق کو نظر انداز کرتے ہیں۔ مترجم

[1] یعنی تعمیل ارشاد کرتے ہوئے بھی قُل کا لفظ حذف نہیں کیا جاتا بحالیکہ قرین قیاس یہ ہے کہ اس کو حذف کیا جائے۔ مترجم

کہتا ہوں

اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا آپ نے فرمایا کہ مجھ سے یہی کہا گیا ہے کہ کہو اور میں بھی یہی کہتا ہوں کہ کہو۔ اسلیئے ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں جیسے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا[1]

الغرض آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا ملخص یہ ہے کہ مجکو بارگاہ الٰہی سے یہی ارشاد ہوا ہے کہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ الخ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ الخ۔ اسلیئے میں اُنہیں الفاظ میں کہتا ہوں جن الفاظ میں مجھ سے کہا گیا۔ اِس میں راز یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی تبلیغ میں اپنی طرف سے کچھ بھی تصرف نہیں کیا، بلکہ جو الفاظ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ پر القا کیے گئے وہی الفاظ آپ نے بغیر کسی تصرف کے اپنی اُمت کو پہنچا دیئے اور چوں کہ وہ الفاظ جو آپ پر نازل ہوئے یہی تھے کہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ، اسلیئے کہ تبلیغ کا پورا حق اسی طرح ادا ہوسکتا تھا کہ آپ بعینہٖ اُنہیں الفاظ کو دُہرا دیتے، چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ آپ کے ان الفاظ سے کہ مجھ سے بھی کہا گیا کہ کہو اور میں نے وہی کہا" یہی مُراد ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں اپنی طرف سے ایک حرف بھی گھٹاتا اور بڑھاتا نہیں ہوں۔ بلکہ جو کچھ مجکو بارگاہ کبریا سے ارشاد ہوتا ہے اُسی کی تبلیغ کرتا ہوں۔

منصب رسالت

اِس میں مُعتزلہ اور جہمیہ کے قول کی واضح طور پر تردید کی گئی ہے، جن کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحی کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عبارت اور اپنے الفاظ میں ادا کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادات الٰہی کو اُنہیں الفاظ میں

---

[1] ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول تھا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح مخاطب فرمایا ہے کہ قل: تم کہو۔ اس لیے اس ارشاد کی تعمیل حذفِ قل سے ہوگی یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو تعمیل ارشاد کے لیئے اعوذ برب الفلق الخ اور اعوذ برب الناس الخ کہنا ہوگا۔ مترجم [2] یعنی یہی شبہ تو ہوگیا تھا کہ میں قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کے بجائے اعوذ برب الفلق اور اعوذ برب الناس کہنا چاہیئے۔ مترجم [3] آخری حصہ عبارت کا اُبی بن کعب رض کا قول ہے ۱۲ منہ

ادا کیا ہے جن الفاظ کے ساتھ اُن پر وحی نازل ہوئی۔ یہاں تک کہ جب آپ سے کہا گیا کہ قُلْ تو آپ نے بھی اُسی امر کا اعادہ کیا اور کہا قُلْ۔ کیوں کہ آپ محض مبلغ اور رسول تھے جن کا منصب "رسالت" کا صحیح صحیح پہنچانا ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ اپنی جانب سے اُس کے الفاظ میں کسی قسم کا تصرّف یعنی ردّ و بدل کریں۔

فصل سوم

مستعاذ بہ

معانی

جس کے ساتھ پناہ لی جاتی ہے اُسے مستعاذ بہ کہتے ہیں۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے، جس کی قدرت سے پوچھتی ہے اور وہ تمام لوگوں کا پرورش کرنے والا، اُن کا بادشاہ اور معبود ہے اُس کے بغیر اور کوئی جائے پناہ نہیں، پناہ مانگنے والوں کو وہی پناہ دیتا ہے اور ہر ایک چیز کے شر سے جس سے وہ پناہ مانگتے ہیں ان کو بچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اس حقیقت سے اپنے بندوں کو آگاہ فرمایا ہے کہ جو کوئی اس کو چھوڑ کر کسی مخلوق سے پناہ مانگتا ہے وہ کبھی اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہوتا، اور مستعاذ بہ کے لیئے اس کا یہ فعل تمرّد اور طغیان کا موجب ہوتا ہے۔ چنانچہ مومن جنّوں کی زبان سے سورۃ الجنّ میں منقول ہے:-

"وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا" (۷۲ : ۶)	اور بے شک بنی آدم کے کچھ لوگ بعض جنّوں سے پناہ مانگتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اِن جنّوں کی سرکشی بڑھ جاتی تھی۔

اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں جب کسی مسافر کو بیابان کی کسی سُنسان

جگہ میں رات بسر کرنے کا اتفاق ہوتا تھا تو وہ جنوں کو اُس علاقہ کا متصرف ور مختار سمجھ کر یہ الفاظ زبان پر لاتا تھا کہ اعوذ بسید ھذا الوادی من شر سفہاء قومہ "میں اس وادی کے سردار کو اپنا جائے پناہ سمجھ کر اس قوم کے بدمعاشوں کی شرارت سے اُس کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں" اہل جاہلیت کا خیال تھا کہ ایسا کرنے سے آدمی اپنی رات امن و امان سے بسر کر سکتا ہے اور اُس کو کسی قسم کا گزند نہیں پہنچتا۔ اس خیال کو شائع دیکھکر جنوں کے دل میں ایک طرح کا غرور اور سرکشی پیدا ہوتی تھی اور وہ کہتے تھے کہ بنی آدم اور جنوں پر ہم یکساں حکومت کرتے ہیں۔

کلام اللہ غیر مخلوق

ایک حدیث میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے اعوذ بکلمات اللہ التامات "میں اللہ تعالیٰ کے اُن کلمات کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں جو ہر طرح سے کامل ہیں"۔ اہل سنت نے اس حدیث سے استدلال کر کے یہ دعوے کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے۔ کیوں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہایت بعید ہے کہ وہ کسی مخلوق کے ساتھ پناہ مانگیں، چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ: اعوذ برضاک من سخطک وبمعافاتک من عقوبتک۔ "بار خدایا! میں تیری رضامندی کے ساتھ تیری خوشی سے پناہ مانگتا ہوں۔ اور تیرے عذاب کے مقابلے میں تیری بخشش اور معافی کو جائے پناہ ٹھیراتا ہوں"۔ اس بات کی دلیل ہے کہ رضا اور عفو کا شمار اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ میں ہے اور ہر ایک صفت ان میں سے غیر مخلوق ہے۔ علیٰ ہذا القیاس آپ کا یہ قول کہ اعوذ بعزۃ اللہ وقدرتہ "میں اللہ تعالیٰ کی عزت اور اُس کی قدرت کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں"۔ اور اعوذ بنور وجہک الذی اشرقت لہ الظلمت = "میں تیری ذات پاک کے نور کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں جس کے سامنے تمام تاریکیاں روشنی سے بدل جاتی ہیں"۔ الغرض جس چیز کے ساتھ آپ نے پناہ طلب کی ہے وہ یقیناً غیر مخلوق ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی

ذات اور اُس کی صفات کاملہ کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی ۔ سورۂ فلق اور سورۂ ناس میں جن اسمائے حسنیٰ کو مستعاذ بہ بتایا گیا ہے وہ ربّ ۔ ملک اور الٰہ کے الفاظ ہیں ۔ نیز ربوبیت کی اضافت فلق (صبح کی روشنی) اور ناس (لوگ) کی طرف کی گئی ہے ۔ یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان سورتوں میں اپنے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں وہ استعاذۂ مطلوبہ کے ساتھ گہری مناسبت رکھتے ہوں گے ۔ کیوں کہ ہم نے اپنی تصنیفات میں بارہا اس بات کو واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جب اس کے اسمائے حسنیٰ سے پکارا جائے تو ہمیشہ یہ نکتہ ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ مدعا و مطلوب کی مناسبت سے کوئی مناسب اسم پاک استعمال کیا جائے[1] ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سورتوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ کسی پناہ مانگنے والے کو ان جیسے کلمات کے ساتھ پناہ مانگنا نصیب نہیں ہوا ۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جن اسمائے پاک کے ساتھ ان سورتوں میں استعاذہ کیا گیا ہے اُن کو حصولِ مطلوب کے ساتھ خاص مناسبت ہے مستعاذ منہ پر بحث کرتے ہوئے اس مناسبت کی توضیح کر دی جائے گی ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ۔

فصل چہارم

مستعاذ منہ

معانی و اقسام شر

جن چیزوں سے پناہ مانگی جاتی ہے اُنھیں مستعاذ منہ کہتے ہیں ۔ یہ سب کی سب شر کی قسمیں ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے ۔

انسان کو جو برائی پہنچتی ہے وہ دو قسم سے باہر نہیں

---

[1] مثلاً گناہوں کی معافی مطلوب ہو تو غفور رحیم کا استعمال موزوں ہوگا ۔ رزق کی فراخی کا سوال ہو تو رزاق اور واسع علیم پکارنا مناسب ہے ۔ دشمن پر فتح چاہتے ہو تو عزیز حکیم کے اسمائے پاک کا دعا کے ساتھ لگانا انسب ہوگا ۔ مترجم

(الف) ہر ایک قسم کے گناہ جن کا انسان اپنے ارادہ اور اختیار سے ارتکاب کرتا ہے اور جن پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے انسان کو دُنیا اور آخرت میں سزا ملتی ہے۔ شر کی یہ قسم (گناہ اور نافرمانیوں اور اُن کے موجبات و بواعث کی) شدید ترین اور پائدار ہے۔ اور اس سے نجات پانا نہایت دشوار ہے۔

(ب) شر کی دوسری قسم وہ ہے جو انسان کو دوسرے کی طرف سے پیش آتی ہے چاہیے وہ دوسرا مکلّف یعنی ذمہ دار ہستی ہو جیسے انسان اور جنّ۔ یا غیر مکلّف ہو جیسے زہردار اشیاء وغیرہ۔ سورۂ فلق اور سورۂ ناس میں نہایت مختصر اور جامع عبارت میں شر کی ان تمام اقسام سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے۔ چنانچہ سورۂ فلق میں چار باتوں سے پناہ مانگی گئی ہے:

(۱) تمام وہ مخلوقات جس سے شر کا صادر ہونا ممکن ہے۔

(۲) شبِ تاریک کے چھا جانے سے جو شر پیدا ہوتے ہیں۔

(۳) گانٹھوں پر پھونکنے والیوں کے شر انگیز اعمال سے۔

(۴) حسد کرنے والے کے حسد کے بُرے نتائج سے۔

لیکن اِن چاروں کی تفصیل بیان کرنے سے پیشتر شر کے معنی اور اُس کی حقیقت کا بیان کرنا لازم ہے۔

شر اور اُسکی حقیقت؟

شر کا اطلاق درد و تکلیف اور اُس کے نتائج و اسباب پر ہوتا ہے، چنانچہ کفر و شرک، ظلم و بدعت اور ہر ایک قسم کے گناہ کو اگرچہ اُس میں اس کے کرنے والے کی کچھ غرض نہ کچھ ہوتی اور اس کے ارتکاب سے اُس کو لذت حاصل ہوتی ہے اسلیئے شر کہا جاتا ہے کہ ایسی باتوں کے مرتکب کو دُنیا یا آخرت میں اِنہی باتوں کے نتیجہ کے طور پر تکلیف اور عذاب پیش آتا ہے۔ کیوں کہ کفر و شرک اور اِسی قسم کے دیگر اُمور اور ان کے عواقب و نتائج یعنی اُن کی عقوبت اور عذاب کا آپس میں وہی تعلق ہے جو کسی سبب اور اُس کے مُسبَّب کے درمیان ہوتا ہے

مثلاً زہر کھانا بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو ہمیشہ ہلاکت پر منتج ہوتا ہے، ذبح کرنے اور گلا گھونٹنے کا نتیجہ موت ہوتی ہے اور اگر آدمی آگ میں ہاتھ ڈالے تو لامحالہ اُس کا ہاتھ جل جائے گا۔

الغرض ہر ایک سبب کا نتیجہ اسکا مُسبّب ہوتا ہے بشرطیکہ کوئی مانع پیش نہ آجائے یا ایک سبب کے ساتھ کوئی دوسرا سبب متعارض نہ ہو جائے جو اُس سے قوی تر ہو اور جس کا نتیجہ پہلے سبب کے نتیجے کے برعکس ہو۔ صحت اور مرض کے مضمون پر بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھی گئی ہیں اُن کو غور سے مطالعہ کرو اسباب و مُسبّبات کے قانون کو مطّرد پاؤ گے۔

عالمِ اسباب

اسی طرح روحانی امراض میں بھی یہی سبب اور مسبّب کا قانون نافذ ہے اور ہر ایک گناہ کی عقوبت خاص اس کا مُسبّب ہے۔ الغرض ذنوب اور معاصی بعینہٖ اس طرح آخرت میں عذاب اور ہلاکت کا موجب ہوتے ہیں جس طرح اس دُنیا میں زہر ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔ البتہ اگر کوئی دوسرا سبب متعارض ہو یا کوئی مانع پیش آجائے تو ان کا نتیجہ ظہور میں آنے سے رک سکتا ہے (جیسے کہ پہلے ذکر ہوا) مثلاً قوتِ ایمان، کثرتِ حسنات اور متقیانہ اعمال سے معاصی اور سیئات کی عقوبت سے انسان بچ سکتا ہے۔ جیسے کہ اس دُنیا میں بھی جو سبب قوی تر ہو اسی کا نتیجہ ظہور میں آتا ہے۔ دُنیا اور آخرت میں خدا کا قانون ایک ہے۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ۝ (۳۳ : ۶۲)

اور تم خدا کے قانون میں کوئی تغیر اور تبدّل نہیں پاؤ گے۔

تمثیل

معاصی اور سیئات کے ارتکاب میں اگرچہ بظاہر لذت محسوس ہوتی ہے اور اس سے نفس کو فوری خوشی حاصل ہوتی ہے لیکن اس کی مثال ایک لذیذ کھانے کی ہے جس میں زہر ملا دیا گیا ہو۔ بظاہر وہ نہایت مرغوب ہوتا ہے، مگر اس کا انجام کھانے والے کی ہلاکت ہے۔ ذنوب اور معاصی بھی اسی لذیذ مگر مسموم کھانے کی طرح عقوبت اور عذاب کے موجب ہیں

اور گناہ اور عذاب میں سبب اور مسبب کا تعلق ہے۔ اگر بالفرض شریعت مطہرہ نے آدمی کو اس کی عقوبت اور انجام بد سے آگاہ نہ کیا ہوتا تب بھی ایک صاحب بصیرت انسان تجربہ کے ذریعہ سے اور واقعات عالم سے استدلال کر کے اسی نتیجہ پر پہنچتا۔ کیوں کہ جب کبھی بھی کسی سے کوئی نعمت زائل ہوئی ہے، اس کا سبب یقیناً اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی ہوگا۔ ارشاد خدائے جل شانہ ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ۗ وَإِذَآ أَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ

(۱۳ : ۱۱)

بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی اچھی حالت کو بری حالت سے تبدیل نہیں فرماتا جب تک کہ خود اپنے اعمال میں تبدیلی پیدا نہ کرلیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل فرمانا چاہتا ہے تو پھر کوئی بھی اسکو ٹال نہیں سکتا اور نہ ہی سوائے اس کے کوئی اور اُن کیلئے کارساز ہو سکتا ہے۔

زوالِ نعمت کے اسباب!

اللہ تعالیٰ کے کلام پاک میں جن قوموں کی ہلاکت اور اُن پر نزولِ عذاب کا ذکر ہے اگر کوئی سمجھ دار آدمی اِن قصص کو غور سے پڑھے تو اُس کو واضح طور پر نظر آجائے گا کہ ہر ایک قوم کی ہلاکت اور عذاب کا سبب اُس قوم کی نافرمانی تھی۔ اسی طرح اگر کوئی تاریخی واقعات یا اپنے زمانہ کے احوال پر ایک نظر غائر ڈالے تو اُس کو نظر آئے گا کہ زوالِ نعمت کا اصلی اور حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کی اور اُس کے رسولوں کی نافرمانی ہے۔ ایک شاعر نے اس مضمون کو نہایت خوبی کے ساتھ منظوم کیا ہے ؎

إِذَا كُنْتَ فِي نِعْمَةٍ فَارْعَهَا — فَإِنَّ الْمَعَاصِيْ تُزِيْلُ النِّعَمَ

جب تم پر اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت ہو اور تم کسی نعمت کا لطف اُٹھا رہے ہو تو اُسکو محفوظ رکھنے کی کوشش کرو (اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اس کی

نعمتوں کے سلب کیے جانے کا سبب ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کی نعمت کو برقرار رکھنے کا سب سے بہتر طریقہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی ہے۔ اس نے اپنے کلام مجید میں شکر کو زیادتی نعمت کا موجب بتایا ہے لیکن کیا ہم جانتے ہیں کہ صرف زبانی الحمدللہ کہنے سے شکر گزاری کا حق ادا ہو جاتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں، شکر کی حقیقت یہ ہے کہ انسان، اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمتوں کو اُس کی اطاعت میں صرف کرے۔

شر کا مفہوم

خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ معاصی اور سیّئات جو دُنیا اور آخرت میں عقوبت اور عذاب کا موجب ہیں، عذاب کا سبب ہونے کے باعث شر کے مفہوم میں داخل ہیں۔ باقی رہا اس کا مسبّب یعنی عقوبت اور عذاب، سو اس کا شر کے مفہوم میں داخل ہونا بالکل ظاہر ہے کیوں کہ اس کی عقوبت جسمانی اور روحانی دونوں قسم کے شدید ترین عذاب پر مشتمل ہے۔ روحانی عذاب سے مراد شرمندگی کا احساس، سخت ندامت اور حسرت ہے۔

اگر ایک عقلمند اُسکی نوعیت پر کما حقہٗ غور کرے تو یقیناً اس کے اسباب سے پرہیز کرنا وہ اپنا اول ترین فرض خیال کرے گا۔ لیکن اصل یہ ہے کہ آدمیوں کے دل پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اور اگر ان کو حقیقت حال پر اطلاع ہوتی تو وہ ایسی باتوں کا ہرگز ارتکاب نہ کرتے جن کے سبب سے وہ نجات سے محروم رہیں یا دُنیا اور آخرت کے درجات سے بے بہرہ ہوں۔ آخرت میں جب انکشاف حقیقت ہوگا تو گنہگار اور مجرم چیخیں مار مار کر پکارے گا۔ یا لیتنی قدّمتُ لحیاتی "کاش میں اپنی اِس ابدی زندگی کے لیے بھی کچھ ذخیرہ کرتا"۔ یا حسرتا علیٰ ما فرطتُ فی جنب اللہ "ہائے افسوس! میں نے اللہ تعالیٰ کے پہلو میں (اُسکی آنکھوں کے سامنے رہ کر) کسقدر کوتاہی کی ہے"

سرورِ کونینؐ کا پہلا استعاذہ

الغرض چونکہ شر کا مفہوم "درد و تکلیف" اور اُس کے اسباب اور نتائج تک محدود ہے

اسلیئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کبھی کسی چیز سے پناہ مانگی ہے وہ ہمیشہ یا تو بذات خود "درد و تکلیف" ہوگی یا اُس کا موجب۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ عموماً ہر نماز کے آخر میں چار چیزوں سے پناہ مانگتے تھے اور دوسروں کو بھی اس سے پناہ مانگنے کی تلقین فرماتے تھے۔

(۱) قبر کا عذاب } یہ دونوں چیزیں بذات خود درد و تکلیف بلکہ اس کی شدید

(۲) دوزخ کا عذاب } ترین صورت ہیں۔

(۳) زندگی اور موت کا فتنہ } یہ دونوں چیزیں "درد و تکلیف" اور عذاب کا موجب ہیں

(۴) مسیح دجال کا فتنہ } کیوں کہ کسی فتنہ کے اثر میں آجانا عذاب کا موجب ہے۔

اس استعاذہ میں دونوں قسم کے فتنہ کا ذکر ہے ایک زندگی کا فتنہ جس کا عذاب بعض اوقات فوراً نازل نہیں ہوتا۔ دوسرے موت کا فتنہ جس کا عذاب بغیر کسی مہلت کے مفتون پر نازل ہوتا ہے۔ ان اشیائے چارگانہ سے نماز کے آخر میں پناہ مانگنا نماز کی مؤکد ترین دعاؤں میں سے ہے۔ یہاں تک کہ بعض علمائے سلف و خلف کا قول ہے کہ جو شخص اپنی نماز کے آخر میں یہ استعاذہ[1] نہ پڑھے اُس کی نماز نہیں ہوتی ہے علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اس کو ہر ایک تشہد میں کہنا لازم سمجھتے ہیں۔ اور اس کے ترک کرنے والے پر نماز کا اعادہ واجب خیال کرتے ہیں

سرورِ کونین کا دوسرا استعاذہ

اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے آخر میں یہ استعاذہ بھی منقول ہے

اللهم انی اعوذ بك من الهم والحزن والعجز والكسل والجبن وضلع الدين وغلبة الرجال۔ "بار خدایا! میں تیرے ساتھ پناہ لیتا ہوں اندیشہ اور غم سے نابے بسی

[1] استعاذہ مذکورہ کے الفاظ ماثورہ یہ ہیں: اللهم انی اعوذ بك من عذاب القبر ومن عذاب النار و اعوذ بك من فتنة المحيا والممات و اعوذ بك من فتنة المسيح الدجال۔ مترجم

اور سستی سے، بزدلی اور بخیلی سے، قرض کے بوجھ اور لوگوں کے تغلب سے + اِس استعاذہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ چیزوں سے پناہ طلب فرمائی ہے۔ جن میں سے دو دو آپس میں مناسبت رکھتی ہیں۔ چنانچہ غم اور اندیشہ کا آپس میں تعلق ہے اور یہ دونوں روحانی تکلیف کی قسم سے ہیں۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اندیشہ کے معنی ہیں مستقبل میں کسی تکلیف کے پیش آنے کا خوف۔ اور غم کا اطلاق اس احساس پر ہوتا ہے جو کسی گزشتہ تکلیف کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح بے بسی اور سستی کا آپس میں تعلق ہے۔ بے بسی تو ہی چیز یہ عدم قدرت کا نام ہے۔ اور سستی کے یہ معنی ہیں کہ انسان کو قدرت حاصل ہو لیکن اس کو استعمال نہ کرے۔ چونکہ ان دونوں کا نتیجہ کسی مطلوب کا ہاتھ سے نکل جانا ہوتا ہے اسلیئے ان کا شمار بھی شر کے مفہوم میں ہوتا ہے۔ بزدلی اور بخیلی کا بھی آپس میں ساتھ ہے، کیونکہ اول الذکر کے یہ معنی ہیں کہ ایک شخص اپنے بدن اور اپنی قوت کو استعمال نہیں کرتا اور مؤخر الذکر کے معنی مال کو استعمال نہ کرنا ہے۔ یہ دونوں ایسی صفتیں ہیں جن سے پناہ مانگنا لازم ہے، کیوں کہ انسان کو حصولِ مطالب و مقاصد میں اکثر اوقات دلیری اور شجاعت سے کام لینا پڑتا ہے اور مال خرچ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ لیکن بزدلی اور بخیلی اس کے منافی ہے اور اس لیئے حصولِ مقصد سے مانع ہے اور تم جانتے ہو کہ ادراکِ مطلوب میں جو لذت ہوتی ہے اس سے محروم رہ جانا کس قدر عذاب (عذاب روحانی) کا موجب ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس قرض کے بوجھ اور لوگوں کے تغلب میں ارتباط باہمی موجود ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں حصولِ تکلیف کا باعث ہیں۔ وہ ارتباط یہ ہے کہ قرض کا بوجھ اکثر آدمی اپنے اختیار سے سر پر لیتا ہے لیکن لوگوں کا تغلب انسان کے بس کی بات نہیں۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ قرض کے بوجھ سے انسان کو جو تکلیف پیش آتی ہے اس میں قرض خواہ حق بجانب ہوتا ہے مگر لوگوں کا تغلب ظلم اور ناحق ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں استعاذہ کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔ اللھم انی اعوذ بک من المأثم والمغرم (بار خدایا! میں تیرے

ساتھ گناہ اور قرض سے پناہ مانگتا ہوں) گناہ آخرت میں تکلیف اور عذاب کا باعث ہے اور قرض سے سر دست تکلیف پیش آنے کا احتمال ہے۔ ایک اور موقع پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح استعاذہ فرمایا ہے: اللھم انی اعوذ برضاک من سخطک و بمعافاتک من عقوبتک (بار خدایا! میں تیری رضامندی کے ساتھ تیری ناخوشی سے پناہ مانگتا ہوں۔ اور تیرے عذاب کے مقابلے میں تیری عفو کو جائے پناہ ٹھیراتا ہوں) اللہ تعالیٰ کی ناراضی عذاب کا موجب ہے اور عذاب عین تکلیف ہے۔

الغرض مستعاذ منہ، وہ چیز جس سے پناہ مانگی جاتی ہے شر ہے اور ہمیشہ کوئی تکلیف یا اس کا سبب اور نتیجہ ہوگا۔ جیسے کہ مندرجہ بالا مثالوں سے اس کی توضیح ہوتی ہے۔

فصل پنجم

مستعاذ منہ کے اقسام

تفصیل

جس شر سے پناہ مانگی جاتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں:۔

(۱) ایک موجود شر جس کا دور کیا جانا مطلوب ہے۔

(۲) دوسرے معدوم شر جس کا عدم پر باقی رہنا مطلوب ہے۔

اسی طرح اس کے بالمقابل خیر کی بھی دو قسمیں ہیں:۔

ایک موجود خیر جس کی بقا مطلوب ہے۔

دوسرے معدوم خیر جس کا وجود میں آنا مقصود ہے۔

اللہ تعالیٰ سے جتنی دعائیں مانگی جاتی ہیں ان کا مآل انہی چار قسموں کی طرف ہے ذیل کی آیت کریمہ جس میں خدا کے بعض خاص بندوں کی زبان سے یہ دعا منقول ہے انہی انواع

چارگانہ پر مشتمل ہو:-

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا

(۳ : ۱۹۲)

بارِ خدایا! ہم نے ایک منادی کو ندا کرتے ہوئے سنا کہ اپنے رب تعالیٰ پر ایمان لاؤ۔ اس لیے ہم ایمان لائے۔ اے ہمارے خدا! ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہماری برائیوں کو دور کر دے۔

اسمیں موجود شر کے دفع کی درخواست ہو (کیوں کہ جیسے کہ پہلے ذکر ہوا گناہ اور معاصی شر کی ایک قسم ہو)

وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ

(۳ : ۱۹۲)

اور اے ہمارے خدا! ہماری موت نیک لوگوں کے ساتھ ہو۔

اسمیں موجود خیر کے بقا کی التماس کیگئی ہو کیوں کہ ایمان ایک عظیم ترین خیر ہو جو تمام بڑی بڑی نیکیوں اور برکتوں کا سرچشمہ ہو۔ اور درجات عالیہ کے حصول کا موجب ہو۔

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ

(۳ : ۱۹۳)

بارِ خدایا! ہمیں عطا کر جو کچھ تو نے ہمارے لیے اپنے رسولوں کی معرفت وعدہ فرمایا۔

یہ دعا خیر معدوم کے موجود ہونے کے لیئے ہو۔

وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (۳ : ۱۹۳)

اور ہمیں قیامت کے دن ذلیل و شرمندہ نہ بنا۔

اس میں معدوم شر کے عدم پر باقی رہنے کی استدعا ہے۔

اس سے تم کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس آیۂ کریمہ کے ضمن میں جو دعا خاصانِ بارگاہ کی زبانی منقول ہو وہ مطالب چارگانہ کی جامع اور تمام اقسام خیرات پر مشتمل ہو، اور مطالب کی ترتیب نہایت عمدہ ہو کیوں کہ اسمیں اُن دونوں مطالب یعنی مغفرت اور بقائے ایمان کو، جن کا تعلق اس زندگی سے ہے مقدم رکھا گیا ہو، اور اس کے بعد اُن دو قسموں کا ذکر ہو جن کا حصول آخرت میں ہوگا یعنی یہ کہ جو کچھ اُن سے اللہ کے رسولوں نے وعدہ کیا

اس سے وہ بہرہ ور ہوں اور روزِ قیامت کی شرمندگی سے محفوظ رہیں۔ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبہ میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا" (ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے نفس کے شر اور برے اعمال سے پناہ مانگتے ہیں) اس میں نفس کے شر سے پناہ طلب کی گئی ہے جس میں کہ بالقوہ ہر ایک شر کا مادہ موجود ہے۔ بالفاظ دیگر معدوم شر کے ظہور میں نہ آنے کی دعا ہے، نیز برے اعمال سے پناہ طلب کی ہے جو موجود شر کی ایک بڑی قسم ہے گویا اس استعاذہ میں شر کے دونوں اقسام سے پناہ مانگنے کی تصریح ہے۔ "سیئات اعمال" سے بعض علماء اور شارحین حدیث کے نزدیک اعمالِ غیر صالحہ کی عقوبت اور عذاب مراد ہے، جس کو سیئات کے لفظ سے اس واسطے تعبیر کیا گیا ہے کہ اس کا وقوع اس کے مستوجب کو برا معلوم ہوتا ہے اس صورت میں سبب اور مسبب دونوں کو مستعاذ منہ قرار دیا ہے نفس کا شر سبب ہے اور عذاب اس کا مسبب۔

سیئاتِ اعمال

سیئاتِ اعمال کی تشریح میں یہ دونوں توجیہیں احتمال رکھتی ہیں اور ہر ایک کی تائید میں ایک معقول دلیل موجود ہے۔ علماء کی جس جماعت نے سیئاتِ اعمال سے برے اعمال مراد لئے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ برے اعمال کا منشاء نفس کی پوشیدہ شرارت ہے وہ ہونہ الذکر تمام برے اعمال کی تولید کا حقیقی سبب ہے گویا حدیث نبوی کے ان الفاظ میں نفس کی صفت مذمومہ اور اس کے نتائج بد دونوں سے استعاذہ کیا گیا ہے کیوں کہ ان دونوں سے محفوظ ہونا تمام شرور سے محفوظ رہنے کے مرادف ہے۔

دوسرے فریق کے نزدیک جس کا یہ قول ہے کہ سیئاتِ اعمال سے مراد برے اعمال کی عقوبت اور عذاب ہے ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ بہرحال عقوبت اور عذاب شرورِ نفس کا نتیجہ ہے اور ان دونوں میں سبب اور مسبب کا علاقہ ہے۔ گویا ہر ایک قسم کی عقوبت اور اس کے اسباب سے

استعاذہ کیا گیا ہے۔

فصل ششم

اسباب شر کا مبداء و منتہیٰ

شر کی چار قسمیں

چونکہ یہ ضروری ہے کہ شر کے لیئے کوئی سبب ہو جس سے وہ پیدا ہو، نیز اسکے لیئے ایک انتہاء اور انجام ہوگا اور چونکہ سبب کا وجود یا تو خود انسان کی ذات میں ہوگا یا اس سے خارج کسی اور چیز میں، اور اس کا انتہاء اور انجام بھی یا تو خود اس کی ذات پر ہوگا یا کسی دوسری چیز پر۔ اسلیئے مفصلہ بالا تقسیم کے بموجب شر کی چار قسمیں ہوئیں جن کو اس ماثور استعاذہ نے نہایت خوبی کے ساتھ جمع کیا ہے، جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سکھلایا تھا اور صبح و شام اور سونے کے وقت اس کے دوہرانے کی تاکید فرمائی تھی :-

اللّٰھم فاطر السّمٰوٰت والارض عالم الغیب والشھادۃ رب کل شیء و ملیکہٗ اشھد ان لا الٰہ الا انت اعوذ بک من شر نفسی و شر الشیطٰن و شرکہ وان اقترف علیٰ نفسی سوءًا او اجرّہ الیٰ مسلم۔

بار خدایا! آسمان اور زمین کے پیدا کرنے والے پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے! ہر ایک چیز کے مالک اور پرورش کرنے والے! میں اس بات کا اقرار کرتا اور گواہی دیتا ہوں کہ سوائے تیرے کوئی معبود نہیں، میں تیرے ساتھ اپنے نفس کے شر و شیطان کے شر اور اسکے مہرے اور تیرے شریک ہونے کے شر سے پناہ مانگتا ہوں نیز اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں اپنے نفس کو

ضرر پہنچانے کیلئے کوئی برا عمل کروں یا کسی
دوسرے مسلمان کو تکلیف میں مبتلا کروں۔

اس استعاذہ میں شر کے اصلی سبب نفس اور شیطان کا ذکر ہے اور اس بات کا بھی ذکر ہے کہ اس کا انجام کبھی تو خود انسان کے اپنے نفس پر ہوتا ہے اور کبھی اس کے مسلمان بھائی پر۔ الغرض یہ باوجود اختصار کے ایک جامع استعاذہ ہے۔

فصل ہفتم

شرور جن کا معوذتین میں ذکر ہے

افعال اللہ خیر محض

اب ہم ان شرور پر مفصل بحث کرتے ہیں جن کا ذکر سورۂ فلق اور سورۂ ناس میں ہے۔ پہلی آیت "مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ"

میں پناہ مانگتا ہوں ہر ایک ایسی چیز کے شر سے
جس کو اس نے پیدا کیا۔

اس میں عام شر کا ذکر ہے اور شر کی نسبت اس مخلوق کی طرف ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا۔

اللہ تعالیٰ کی کسی صفت مثلاً خلق وغیرہ کی طرف اس کی نسبت نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت یا فعل میں کسی طرح کا شر نہیں اور جیسے کہ اس کی ذات مقدس ہر ایک شر کی نسبت اور اضافت سے برتر اور منزہ ہے اسی طرح اس کی صفات اور اس کے افعال کی تنزیہ بھی واجب ہے۔ اس کی ذات اور اس کی صفات میں کسی قسم کا عیب اور نقص نہیں اور اسی طرح اس کے تمام افعال خیر محض ہیں، جن میں شر کی مطلق آمیزش نہیں۔ دنیا میں جو کچھ بھی شر پایا جاتا ہے وہ مخلوق ہی کی طرف منسوب ہے۔ اگر بفرض محال جناب کبریا

تعالےٰ و تقدس کے افعال میں کسی قسم کا شر ہوتا تو ضرور تھا کہ اُس شر کے لفظ سے اُس کے لیے اسم صفت بنایا جاتا جیسے کہ دوسرے اسمار حسنٰے بنے ہیں اور اس صورت میں یہ کہنا غلط ہوتا کہ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔ | "اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خوبصورت سے خوبصورت نام مقرر کیے گئے" (سب نام اُسکے احسن الاسماء ہیں)

انتساب شر

تمہارے دل میں یہ وہم پیدا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو جو عقوبت اور عذاب کے مستحق ہیں، عقوبت اور عذاب دیتا ہی کیوں کہ اُس کا ایسا کرنا عین عدل و انصاف اور خیر محض ہی۔ جناب کبریائے تعالیٰ و تقدس کا یہ فعل شر کی آمیزش سے بالکلیہ پاک ہی اگرچہ شر درد و تکلیف کا نام ہی کیوں کہ اُس کا شر ہونا انہیں مستحقین عقوبت کے حق میں ہی اور بس۔ الغرض شر کا وجود اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اُس کے افعال سے بالکل الگ اور علیحدہ اس کی مخلوقات اور مفعولات میں پایا جاتا ہی۔ اور اسی لحاظ سے اُس کو خالق خیر و شر کہہ سکتے اور کہتے ہیں۔

یہ ایک دقیق مسئلہ ہی اور اس لیے اس مقام پر دو باتوں کا ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہی:

(۱) یہ کہ جو چیز بذات خود شر ہی یا شر پر مشتمل ہی وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور افعال سے منفصل کوئی مفعول اور مخلوق چیز ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی صفت یا اس کا فعل ہرگز نہیں ہوگا۔

(۲) یہ کہ اس کا شر ہونا ایک امر اضافی ہوگا یعنی جب اللہ تعالےٰ کی طرف اُس کو منسوب کیا جاسکتا تو وہ خیر محض نظر آئے گا۔ البتہ کسی مخلوق کی اس کی نسبت کی جائے تو وہ شر کی صورت میں جلوہ گر ہو سکتا ہی۔

شر امر نسبی ہی

یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کا ہر ایک فعل (خواہ وہ مخلوق کے حق میں کتنا ہی بُرا شر ہو)

کسی حکمتِ بالغہ پر مبنی ہوتا ہی۔ جس کے ادراکِ ماہیت سے اکثروں کی عقل رسا قاصر رہتی ہی۔ اس لیئے عموماً ایسے موقعوں پر یہ مجمل ایمان کافی ہوتا ہی کہ:-

إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ (۳۱: ۲۶) | بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز اور ستودہ صفات ہی

اللہ تعالیٰ کی ان دونوں صفتوں کا قائل ہونا اُس کی طرف کسی شر کو منسوب کرنے کا منافی ہے کیونکہ جو کوئی شر کا فاعل ہوتا ہی اُس کا یہ فعل یا تو اس کے احتیاج کا نتیجہ ہوتا ہی یا اُس کے ناقص اور عیبناک ہونے کی وجہ سے اس سے اس قسم کا فعل ظہور میں آتا ہی۔ لیکن جس ذات مقدس کی صفت الغنی الحمید ہی اُس سے کسی ایسے فعل کا صادر ہونا ناممکن ہی۔

اس تقریر کا ملخص یہ ہی کہ ہر حالت میں شر ایک امر اضافی ہوتا ہی اور اگر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے دیکھا جائے تو وہ خیر محض ہوگا۔ یہ ایک ایسا نکتہ ہی جس کا یاد رکھنا تمہارے لیئے معرفت ربّ تعالیٰ کا ایک دروازہ کھول دے گا، تم کو اس کی محبت کی جانب رہنمائی کرے گا اور تمہارے دل سے وہ شبہات دور ہو جائیں گے جن میں پڑ کر اکثر لوگوں کی عقل چکر کھا جاتی ہی۔ اس مبحث کو ہم نے کتاب تحفۂ مکیہ اور الفتح القدسی میں بسط و تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہی۔ اس کی توضیح کے لیئے چند مزید مثالیں سُن لو۔

امر نسبی کی تمثیلات

ایک شخص چوری کرتا ہی، اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے یا اُس کو سخت قید کی سزا دی جاتی ہی۔ حاکم کا یہ فعل اُس چور کے حق میں شر ہی لیکن عام لوگوں کے حق میں اور فی حد ذاتہٖ خیر محض ہی کیوں کہ لوگوں کے مال کو بدمعاشوں کی دست درازی سے محفوظ رکھنے کی یہ ایک موثر تدبیر ہی اور عامۃ الناس کے ساتھ ایک بڑی نیکی ہی اس لیئے حاکم کا یہ فعل عقلمندوں کے نزدیک مستحق ہزار آفرین ہی۔ اور ایسا حاکم جو بدمعاشوں اور اچکوں کو کیفر کردار تک پہنچا[ئے] محبوب خلائق اور ہر دلعزیز ہوگا۔

اسی طرح جو شخص لوگوں کی جان اور آبرو پر حملہ کرتا ہے اُس کو مناسب سزا دینا ہر طرح سے مستحسن اور قابلِ تعریف ہے۔ اب تم خود سمجھ لو کہ لوگوں کے جان و مال اور آبرو پر حملہ کرنے والے کو سزا دینا معیوب نہیں بلکہ مستحسن ہے جس کے نتائج اسی دنیاوی زندگی تک محدود رہتے ہیں تو کیا وہ شخص یا اشخاص عقوبت اور عذاب کے مستحق نہیں ہیں جو لوگوں کی روحانی زندگی ہلاک کرنا چاہتے ہیں جس کے نتائج دور رس اور اس کا اثر انسان کی حیات ابدی پر پڑتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت اپنے رسولوں کی معرفت لوگوں کی اصلاح کے لیے بھیجی ہے اور جس سے دونوں جہان کی سعادت حاصل ہوتی ہے وہ لوگ اس سے لوگوں کو روکتے ہیں:

الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا (۷: ۴۵)

کیا ایسے مُضر انسان کو اُس کے کیفر کردار تک پہنچانا خیر محض اور خالص عدل نہیں ہوگا؟

پھر ایسا کرنا خود اُس مُضر ہستی کے حق میں کتنا بڑا شر ہو۔

مسئلہ تقدیر کا راز

اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لو جس سے مسئلہ تقدیر کا راز کھل سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت میں تمہیں بصیرت حاصل ہو سکتی ہے! اور یہ کہ وہ اپنے بندوں کے حال پر بہر کیف مہربان ہے البتہ جیسے وہ مہربان اور محسن ہے اسی طرح وہ حکیم اور عادل ہے۔ اس کی حکمت اس کی رحمت کے منافی نہیں ہے۔ وہ اپنی صفتِ رحمت اور احسان کو اپنی مناسب جگہ پر جلوہ دیتا ہے اور عدل و انتقام کی صفت کا اپنی مناسب جگہ پر اظہار فرماتا ہے۔

وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

وہ غالب ہے جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے اور حکیم ہے اُس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا

اور چونکہ اس کے تمام افعال خیر محض ہیں۔ اُس کی حکمت کے برخلاف ہوگا اگر وہ عقوبت اور غضب کے محل میں رحمت اور رضا کی صفت کو جلوہ دے یا رحمت کی جگہ غضب کا اظہار فرمائے۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ دونوں امر اللہ تعالیٰ کے حق میں برابر ہیں اور اس کے

افعال میں محض مشیت کار فرما ہی، سبب اور مسبب کے قانون اور حکمت بالغہ کی کرشمہ آرائی کو اس میں کچھ بھی دخل نہیں، ان کے دلوں پر ایک غلیظ حجاب ہی اور اس لیئے اندھوں کی طرح ان کو تمام چیزیں یکساں نظر آتی ہیں۔

حکمتِ بالغہ

اگر تم قرآن کریم کو شروع سے آخر تک غور کے ساتھ پڑھو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ کلام پاک میں سبب اور مسبب کے اٹل قانون پر کس قدر زور دیا گیا ہی اور اللہ تعالیٰ کے افعال میں حکمت بالغہ کے جلوہ گر ہونے پر کوتاہ بیں انسان کو کہاں تک توجہ دلائی گئی ہی کلام مجید میں ارشاد ہوتا ہی:-

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ (۶۸: ۳۵، ۳۶)	کیا یہ ممکن ہی کہ ہم اپنے مطیع فرمان بندوں کے ساتھ مجرموں کا سلوک کریں؟ تمہاری عقل پر کیا پتھر پڑ گئے ہیں! تم کیسا متحکمانہ حکم صادر کر رہے ہو!!

دوسری جگہ ارشاد ہی:-

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (۴۵: ۲۱)	کیا وہ لوگ جو برائیاں کرتے رہے ہیں یہ خیال رکھتے ہیں کہ ہم اُن سے اُن لوگوں کا سا سلوک کریں گے جو ایمان لائے اور نیکیاں کی ہیں، انکی زندگی اور انکی موت برابر ہوگی؟ اگر ان کا یہ خیال ہی تو نہایت ہی برا حکم صادر کر رہے ہیں۔

اس قسم کی بیسیوں اور سینکڑوں آیتیں کلام پاک میں موجود ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے اس گمان کو سختی کے ساتھ باطل فرمایا ہی کہ وہ اپنے نیک اور بد عمل بندوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کرے گا۔ اس طریق استدلال سے صاف واضح ہوتا ہی کہ انسان کی فطرت میں یہ حقیقت منقوش ہی اور عقل سلیم کا یہی فتوے ہے اللہ تعالیٰ کے قانون قدرت کا یہ

مقتضا ہرگز نہیں کہ فرماں بردار اور بے فرمان کو ایک ہی لاٹھی ہانکا جائے۔ تمام بنی نوع انسان کے عقول میں فطرتاً یہ بات مرکوز ہے کہ رحمت اور احسان کی جگہ عقوبت اور عذاب کا رکھنا نہایت برا ہے، اور اگر کوئی ایسا کرے تو اُسکے اس فعل کو سخت قابل اعتراض سمجھا جائیگا۔ اسی طرح عقوبت اور انتقام کے مناسب موقعوں پر رحمت اور احسان کا استعمال فطرتاً نہایت قبیح معلوم ہوتا ہے۔

مشاہدہ

ایک شخص لوگوں کے جان و مال پر ناحق دست درازی کرتا ہے اور اُنکی آبرو ریزی میں کوتاہی نہیں کرتا، لیکن ایک دوسرا شخص جو اس قسم کے آدمی کے ساتھ اہانت اور تحقیر کا سلوک کرنے کے بجائے نہایت تعظیم اور احترام سے پیش آتا ہے اور اسکے ساتھ احسان کرنے میں دریغ نہیں کرتا تو کیا کوئی علیم الفطرۃ انسان اُس کے اس فعل کو مستحسن سمجھ سکتا ہے حاشا و کلا۔ ہر ایک شخص اس بے جا احسان کرنے والے کو نہایت بُرا خیال کرے گا اور اسکے اس فعل کو یقیناً قبیح سمجھا جائے گا یہی اللہ تعالیٰ کی فطرت ہے جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ باایں ہمہ عقلوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عدل و انتقام کے افعال میں اس کی حکمت بالغہ کا مشاہدہ نہیں کر سکتے کسی شاعر نے کیا اچھا فرمایا ہے ؎

نعمۃ اللہ لا تعاب ولکن ربما استقبحت علی اقوام

یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں عیب سے مبرا ہیں لیکن بعض موقعوں پر اُس کا انعام زیبا نہیں معلوم ہوتا۔

مشاہدہ

الغرض وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے کسی طرح مستحق نہیں جو اسکے سبیلِ ہدایت پر چلنے سے دوسرے لوگوں کو روکتے ہیں، اُس کی رضامندی کے مخالف امور میں مُستعی رہتے ہیں۔ جن اُمور سے وہ ناخوش ہوتا ہے اسکو وہ بنظر پسندیدگی دیکھتے ہیں اور جن باتوں

میں اُسکی رضامندی مقصود ہو اُن سے بے اعتنائی برتتے ہیں بلکہ دوسری نظر سے اُن کو ملاحظہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی کچھ بھی پروا نہیں کرتے لیکن اغیار کو خوش کرنے کے لیئے ایڑی چوٹی تک کا زور لگاتے ہیں۔ الغرض وہ ہر ایک بات میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُسکے فرمان کے عین ضد پر عمل کرتے ہیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے پیارے ہیں وہ اُنکے ساتھ دشمنی رکھتے ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ اور اُسکے رسولوں سے عداوت ہو اُن کو اُن سے محبت ہے۔

وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا	کافر انسان ہمیشہ اپنے رب تعالیٰ کی مخالفت
(۲۵ : ۵۵)	میں کوشاں رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے کلام مجید میں ارشاد فرماتا ہے:۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ ۗ أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِي وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۚ بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا	اُس وقت کو یاد کرو جب کہ ہم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ تعمیل فرمان کے لیئے سب نے سجدہ کیا مگر ایک شیطان نے نہ کیا وہ جنوں کی قوم سے تھا اسلیئے اُس نے اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے سرتابی کی کیا دیا این ہمہ اتم مجھکو چھوڑ کر اسکو اور اسکی اولاد کو اپنا دوست سمجھتے ہو؟ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں ظالموں کے لیئے (جو مستحق عداوت کو دوست بنا کر ظلم کا ارتکاب کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے شیطان کے ساتھ رشتہ جوڑتے ہیں) نہایت ہی برا بدلہ ہے۔
(۱۸ : ۵۰)	

اس خطاب کے ضمن میں غایت درجہ کی تہدید ہے۔ آیت کریمہ کے شروع میں یہ بتایا ہے کہ ہمیں نے شیطان لعین کو تمہارے باپ کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا جس سے اُس نے سرتابی کی اسی سبب سے اُس کو اپنی بارگاہ کبریائی سے مطرود فرما کر لعین کا خطاب دیا اور تمہارے

باپ کے لیئے سجدہ سے انکار کرنے کی وجہ سے اُس کو اپنا دشمن ٹھہرایا۔ لیکن تم ہو کہ اسی ملعون کو اپنا دوست سمجھ رہے ہو اور اُس کی خاطر مجھکو چھوڑ رہے ہو۔ کیا یہ عظیم ترین ظلم نہیں ؟ اور جب قیامت کے دن انکشافِ حقیقت ہوگا تو کیا تم اپنے کیے پر سخت نادم اور متاسف نہیں ہوگے ؟

میدانِ قیامت

یقیناً قیامت کے دن تم سے یہ کہا جائے گا جبکہ تم ہر طرح سے مستحق ہو، کہ کیا عدل و انصاف کا یہ تقاضا نہیں کہ ہر ایک شخص کو تم میں سے اُس کا رفیق بنا دیا جائے جس کو تم نے خود اپنے لیئے رفیق منتخب کیا تھا ؟ اسی طرح اولیاء الشیطان تو شیطان کی جماعت میں شریک ہوکر دوزخ کو چلے جائیں گے، مگر اولیاء الرحمٰن کسی دوسرے کے پیچھے چلنے سے انکار کریں گے کیوں کہ اُنھوں نے دُنیا میں بھی دوسرے لوگوں کو چھوڑ کر ایک خدا کی فرماں برداری اختیار کی تھی۔

حدیث شریف میں ہے کہ اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ اُن کے سامنے جلوہ فرما ہو کر اُن سے اس طرح مخاطب ہوگا: "تم بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ کیوں نہیں چلے گئے ؟" اس کے جواب میں وہ عرض کریں گے۔ "بار خدایا ! دنیا میں جبکہ ہمیں اُن کے ساتھ ربط و ضبط رکھنے کی سخت ضرورت تھی صرف تیری ہی خاطر اُن کو چھوڑ دیا تھا تو بھلا اب آخرت میں ہم کیوں اُن کے پیچھے جانے لگے ؟ ہم تو اپنے رب تعالیٰ کا انتظار کر رہے ہیں۔" (وہی جہاں ہم کو بھیجے گا ہم خوش ہیں) اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا، کیا تمہارے اور اُس کے درمیان کوئی خاص علامت بھی ہے ! عرض کریں گے ہاں ! اس کی شکل نہیں ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایسی کیفیت کے ساتھ جلوہ فرما ہوگا کہ اُن کا کوئی شک باقی نہیں رہے گا۔ اور اس حالت میں وہ سب سربسجود ہوں گے۔ الخ" اس دن خدا کے ساتھ سچی محبت رکھنے والوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہونگی اور کافروں اور مشرکوں کو اس بات کا عین الیقین حاصل ہوگا۔

إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ ۝ (۸ : ۳۴) | اللہ کے دوست وہی ہوتے ہیں جو تقویٰ کے زیور سے آراستہ ہوں۔

فصل ہشتم

خیر الکلام وخیر العباد کا تنزیہ تقدیس

ذاتِ باری تعالیٰ

بعض عارفوں نے اس طرح اللہ تعالیٰ کی شر سے تنزیہہ بیان کی ہے کہ الشر لا یتقرب به الیک (شر کے ذریعہ سے کوئی شخص تیرا قرب حاصل نہیں کر سکتا) کسی اور عارف نے اس کے تقدس کا ان لفظوں میں اظہار کیا ہے کہ الشر لا یصعد الیک (شر جو تیری طرف صعود نہیں ہے) اپنی بساط کے موافق ہر ایک نے اسکی تنزیہہ بیان کرنے کی کوشش کی ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن الفاظ میں جناب کبریائے تعالیٰ و تقدس کی تنزیہہ فرمائی ہے وہ ان تمام عبارتوں سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔

حدیث نبویؐ

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے: لبیک وسعدیک والخیر کله فی یدیک والشر لیس الیک = یہ بندہ نیاز مند تیری خدمت میں حاضر ہے، اس کو اعتراف ہے کہ تمام نیکیاں تیرے ہاتھ میں ہیں اور شر کو تیری طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔" حدیث کے الفاظ میں اس بات کی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، اسکی صفات اور اُسکے افعال شر کی آمیزش سے مبرا ہیں۔ اور کسی صورت میں شر کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا گو اسکی مخلوقات میں شر کا وجود پایا جاتا ہے جو بالکلیہ انہیں کی طرف منسوب ہے۔

شر کی اضافت

چنانچہ سورۂ فلق کی پہلی آیت میں شَرِّ مَا خَلَقَ میں اس بات کی تصریح موجود ہے، شاید تم نے قرآن کریم کے طرزِ بیان پر بہت کم غور کیا ہوگا ورنہ تمہیں صاف نظر آجاتا کہ اسکی وجوہ تین ہیں:

پہلی صورت

کلام پاک میں شر کی اضافت کبھی تو اسکے سبب کی طرف ہوتی ہو اور جس کی ذات سے شر کو قیام حاصل ہو۔ اسی کی طرف اسکو منسوب کیا جاتا ہو مثلاً :-

وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۲: ۲۵۴)	اور منکرین تو خود اپنے ظالم ہیں۔
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (۵: ۱۰۸)	جو قوم کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اتری ہوئی ہو اللہ تعالیٰ اسکو ہدایت نہیں بخشتا

یہودیوں کا حال بیان فرما کر ارشاد ہوتا ہے :-

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۔ (۶: ۱۴۶)	یہ عقوبت ہم نے اُن پر انکے ظلم کی وجہ سے نازل فرمائی۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہو۔

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ (۴۳: ۷۶)	ہم نے اُن پر مطلق ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی ظلم کرنیوالے تھے۔

یہ چند آیتیں مُشتے نمونہ از خروارے لکھی گئی ہیں ورنہ حقیقت یہ ہو کہ تمام قرآن کریم ایسا مضمون سے بھرا ہوا ہو۔

دوسری صورت

یہ ہو کہ شر کی اضافت کسی کی طرف بھی نہ ہو بلکہ مجہول کے صیغہ سے اُسکو بیان کیا جاتا ہو مثلاً یہ آیت جس میں مومن جنّوں کا قول منقول ہو۔ وَاَنَّا لَا نَدْرِىْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِى الْاَرْضِ الخ اور ہم نہیں جانتے کہ یہ کس قسم کا شر ہو جس کا اہلِ زمین کو پہنچانا مقصود ہو یا انکے رب تعالیٰ نے اُنکو ہدایت دینے کا قصد فرمایا ہو۔ ہدایت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہو۔ لیکن شر کی نسبت کو مجہول رکھا گیا ہو اس کی نظیر سورہ فاتحہ میں ہو کہ انعام و اکرام کو اللہ تعالےٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہو لیکن غضب کا اسناد مجہول ہو۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ۔ (۱: ۶، ۷)

حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ

اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام کے قصہ میں خضر علیہ السلام نے اپنے افعال کی ملیت بتاتے ہوئے جہاں کشتی کے توڑنے کا ذکر کیا ہی اسکو اپنی طرف منسوب کیا ہو کہ :-

فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا (۱۸ : ۷۹)	میں نے یہ چاہا کہ اسکو عیب لگادوں۔

لیکن یتیموں کی دیوار کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا۔ (۱۸ : ۸۲)	اسلیئے تمہارے ربنے ارادہ فرمایا کہ وہ دونوں یتیم اپنی بلوغت کی حد کو پہنچ کر اپنا خزانہ نکال لیں۔

قال اللہ تعالیٰ :-

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ۔ (۴۹ : ۷)	لیکن اللہ تعالیٰ ہی نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈالدی اور اسکو تمہارے دلوں میں زینت دی

دوسری جگہ فرماتا ہی :-

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ۔ (۳ : ۱۴)	لوگوں کے دلوں میں خواہشات نفسانی کو زینت دی گئی ہی۔

اوّل الذکر آیت میں زینت کا فاعل مذکور ہی کیوں کہ یہ تزئین خیر محض ہی لیکن دوسری آیت میں فعل مجہول استعمال کیا گیا ہی کیوں کہ یہ تزئین شر پر مشتمل ہی۔

حضرت ابراہیم کا تنزیہہ

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے رب جلیل کی صفات عالیہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :-

اَلَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ۙ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ۙ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۙ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ۙ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ	وہ خدا جس نے مجکو پیدا کیا اور وہی مجکو ہدایت دیگا۔ وہی خدا ہے جو مجکو کھلاتا پلاتا ہو اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہی۔ وہی خدا ہی جو مجکو موت دیگا اور پھر مجکو زندہ کرے گا وہی خدا ہی جس سے میں

خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ (۲۶: ۷۷ تا ۸۲) | اُمید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے گناہوں کو بخش دے گا۔

اس میں جو خیر و کمال کے مظاہر ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں لیکن نقص و عیب کی باتیں مثلاً مرض اور گناہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی طرف منسوب کی ہیں یوں کہ وَالشَّرُّ لَيْسَ اِلَيْكَ۔ اس قسم کی مثالیں کلام مجید میں بکثرت پائی جاتی ہیں جن کو ہم نے الفوائد المکیّہ میں بالتفصیل بیان کیا ہے۔ اور یہ نکتہ بھی لکھا ہے کہ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ (بصیغہ معروف) اور اَلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ (بصیغہ مجہول) کا باہمی فرق اسی اصول پر مبنی ہے۔ فعل معروف مدح کے مقام پر استعمال ہوا ہے اور فعل مجہول ذم کی جگہوں میں ارشاد ہوا ہے۔ اسی طرح ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا۔ (۳۵: ۳۲) | پھر اپنے چنے ہوئے بندوں کو ہم نے کتاب کا وارث بنایا۔

اسکے بالمقابل دوسری جگہ فرمایا ہے:-

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ (۴۲: ۱۴) | وہ لوگ جن کو اُن کے بعد کتاب کا وارث بنایا گیا ایک قوی شک میں پڑے ہیں۔

بہرکیف عالم میں جہاں کہیں بھی خیر و کمال ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے برخلاف اسکے شر اور نقصان کی نسبت سے اُسکی ذات، اُسکی صفات اور اُسکے افعال منزّہ اور برتر ہیں۔



باب (۲)

تفسیر سورۃ الفلق

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا
خَلَقَ ۝ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝
وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۝ وَمِنْ
شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کہہ: میں روشنیٔ صبح کے مالک خدا کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں، ہر ایک قسم کے شر سے (میں پناہ مانگتا ہوں) جو کسی مخلوق میں پایا جائے، اور شب تاریک کے شر سے (میں پناہ مانگتا ہوں) جبکہ وہ چھا جاتی ہے، اور گانٹھوں پر پھونکنے والی جماعتوں (جادوگر) کے شر سے (میں پناہ مانگتا ہوں)، اور حاسد کے شر سے (میں پناہ مانگتا ہوں) جبکہ وہ

فصل اوّل

شر کی پہلی قسم

استعاذہ من شرّ ما خلق

ہر ایک قسم کا شر جو کسی مخلوق میں پایا جاتا ہے: مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ کے مفہوم میں داخل ہے۔

ما خلق سے مراد

کسی مخلوق کا لفظ انسان، جنّ، جملہ حیوانات، حشرات الارض، آندھی، بجلی اور دیگر تمام آفات سماوی و ارضی پر مشتمل ہے۔ اور اگرچہ اس لفظ کو عام ترین معنوں میں لیا گیا ہے لیکن پھر بھی اس کا عموم اپنے مضاف لفظ شرّ کے ساتھ مقیّد ہے اور اسلئے اس کا عموم مطلق نہیں جس کے

یہ معنی ہوں کہ ہر ایک چیز میں شر پایا جاتا ہے بلکہ اسکے معنی یہ ہیں کہ ہر ایک شر سے پناہ مانگتا ہوں جو کسی مخلوق میں پایا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر عموم پہلے لفظ میں مطلق ہے یعنی ہر ایک قسم کا شر اور دوسرے میں مقید یعنی کوئی مخلوق جس میں شر پایا جاتا ہے۔ ہر ایک مخلوق اس سے مراد نہیں؛ کیوں کہ یہ ضروری نہیں کہ ہر ایک مخلوق میں شر کا وجود ہو۔ چنانچہ جنّت ایک ایسا مقام ہے جس میں شر کا مطلق وجود نہیں۔ اسی طرح ملائکہ اور انبیا علیہم الصّلوٰۃ والسلام کا وجود خیر محض ہے اور انہیں کی بدولت دُنیا میں ہر ایک قسم کا خیر و برکت پھیلا ہے۔

الغرض مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ اپنی تعمیم کے لحاظ سے ہر ایک مخلوق کے شر کو جو دُنیا اور آخرت میں پایا جاتا ہے شامل ہے۔ اور شیاطین الانس والجنّ کا شر، درندوں اور خزندوں کا شر، جڑی بوٹی کا شر، آندھی اور طوفان کا شر، بجلی اور زلزلے کا شر اور جملہ آفات و بلیّات ارضی و سماوی کا شر اس کے مفہوم میں داخل ہے۔

استعاذہ سفر

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح مسلم میں ایک روایت ہے کہ جو شخص کسی مقام پر اتر کر یہ الفاظ کہے۔ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ (میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کی پناہ ڈھونڈ کر ہر ایک مخلوق کے شر سے پناہ مانگتا ہوں) تو اسکو کوچ کرنیکے وقت تک کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچے گا۔

سُنن ابوداؤد میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے تھے اور رات پڑ جاتی تھی تو یہ الفاظ فرماتے :-

یا ارضُ ربّی و ربّکِ اللہ اعوذ باللہ من شرّکِ وشرّ ما فیکِ وشرّ ما یخلق فیکِ وشرّ ما یدبّ علیکِ اعوذ باللہ من اسدٍ واسودٍ ومن الحیّۃ	اے زمین! تیرا اور میرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں تیرے شر سے اور اس چیز کے شر سے جو تجھ میں ہے اور اس چیز کے شر سے جو تجھ میں

ع یہ استعاذہ اہل جاہلیت کے اس استعاذہ کا "نعوذ بسید ہذا الوادی من شر سفہاء قومہ" کا موحدانہ جواب اور اس کا نعم البدل ہے۔ مترجم

والعقرب ومن ساکن البلد ومن شرّ والدٍ وما ولد۔

(ابوداؤد)

پیدا کی گئی ہے اور اُس چیز کے شر سے جو تیرے اوپر رکھی ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں شیر اور اژدہا سے، سانپ اور بچھو سے، شہر کے باشندوں کے شر سے اور والد اور مولود کے شر سے۔

ایک دوسری حدیث میں استعاذہ کے الفاظ اس طرح ہیں:

اعوذ بکلمات اللہ التامات التی لا یجاوزھن برٌّ ولا فاجرٌ من شرّ ما خلق وذرأ وبرأ ومن شرّ ما نزل من السماء وما یعرج فیھا ومن شرّ ما ذرأ فی الارض وما یخرج منھا ومن شرّ فتن اللیل والنھار ومن شرّ کل طارق الا طارقا یطرق بخیر یا رحمٰن۔

میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں جس کے حکم کے دائرہ سے کوئی نیک اور بد باہر نہیں ہر ایک قسم کے شر سے جو کسی مخلوق میں پایا جاتا ہے جسکو اُس نے پیدا کیا اور اُس چیز کے شر سے جو آسمان سے اُترتی اور اس میں چڑھتی ہے، اور اُس چیز کے شر سے جس کو اُس نے زمین میں پھیلا دیا ہے اور جو کچھ اُس سے نکلتا ہے۔ اور دن اور رات کے فتنوں سے اور ہر ایک رات کے وقت آنیوالے کے شر سے سوائے اُس رات کے وقت آنیوالے کے جو خیر لیکر آتا ہے اے میرے مہربان خدا!

فصل دوم

شر کی دوسری قسم

استعاذہ من شرّ غاسق

اِس سورۃ کی دوسری آیت :۔

مِن شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ	اور میں پناہ مانگتا ہوں شب تاریک کے شر سے جبکہ وہ چھا جاتی ہے۔

تخصیص بعد تعمیم ہے۔

غاسق کے معانی

اکثر مفسرین کا قول ہے کہ غاسق کے معنی شب تاریک ہے۔ اور بقول ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کا اشتقاق غسق سے ہے، جسکے معنی ہیں رات کی تاریکی، جیسے کہ اس آیت میں ہے کہ:۔

أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَىٰ غَسَقِ اللَّيْلِ۔ (۱۷: ۷۸)	نماز کو قائم رکھ سورج کے ڈھلنے کے وقت سے رات کی تاریکی تک۔

حسن اور مجاہد اور مقاتل رضی اللہ عنہم نے بھی اپنی اپنی عبارتوں میں لفظ مذکور کی تقریباً یہی تشریح کی ہے، لیکن بعض کے نزدیک غسق کے معنی ٹھنڈک اور خنکی کے ہیں۔ اور چوں کہ رات کو عموماً خنکی ہوتی ہے۔ اسلیئے اسکو غاسق کہتے ہیں۔ اس کا شاہد غساق کا لفظ ہے جو بقول ابن عباس ومجاہد ومقاتل رضی اللہ عنہم زمہریر[1] کو کہتے ہیں۔ لیکن ان دونوں اقوال میں کوئی منافات نہیں کیوں کہ رات کے وقت تاریکی اور خنکی دونوں پائی جاتی ہیں۔ اور دونوں اقوال کے بموجب وجہ تسمیہ مختلف ہونے کے باوجود مسمّٰی ایک ہی ہے، یعنی یہ کہ غاسق سے مراد رات ہے۔ لیکن آیت کے مناسب تاریکی کے معنی ہیں، کیوں کہ اکثر فسادات رات میں تاریکی کی وجہ سے رونما ہوتے ہیں نہ کہ اس کی خنکی کی وجہ سے۔ اس لیئے استعاذہ کے مناسب حال غاسق کے معنی شب تاریک کے ہیں، نیز مستعاذ بہ کو رب الفلق (روشنی صبح کا مالک خدا) کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اس لحاظ سے بھی غاسق کے معنی شب تاریک ہو تو اس سے مستعاذ بہ اور مستعاذ منہ میں کامل مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔

غاسق سے مراد چاند

ترمذی میں ایک حسن صحیح روایت ہے کہ: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی

---

[1] زمہریر یعنی سخت سردی ۱۲

اللہ عنہا کا ہاتھ پکڑ کر انھیں چاند کی طرف متوجہ کیا اور فرمایا کہ اسکے شر سے پناہ مانگو کیونکہ یہی غاسق ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ چوں کہ یہ ایک مرفوع روایت ہے اسلیئے تمام دوسرے اقوال پر اسکو ترجیح دینا لازم ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تفسیر بے شک درست ہو لیکن یہ پہلی تفسیر کے مخالف نہیں بلکہ اسکے موافق اور اسکی موید ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً۔ (۱۷ : ۱۲)	ہم نے دن اور رات کو اپنی قدرت کی دو نشانیاں بنایا پھر رات کی نشانی کو ہم نے مٹا دیا اور دن کی نشانی کو ہم نے روشن بنا دیا۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ چاند رات کی نشانی ہے، اسلیئے رات اور چاند کے مفہوم میں تلازم ہے (دونوں کا مفہوم آپس میں لازم ملزوم ہے) اسلیئے دونوں پر غاسق کا اطلاق ہوسکتا ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی ایک معنی کی تخصیص کرنا اس بات سے مانع نہیں کہ دوسرے معنی بھی مراد ہوں۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی صحابی نے یہ دریافت کیا کہ: لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى (۹ : ۱۰۸) (وہ مسجد جس کی بنیاد تقوے پر رکھی گئی۔) اور جس کا سورہ توبہ میں ذکر ہے) سے کونسی مسجد مراد ہے؟ تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ میری مسجد ہے۔ اب اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آیت کریمہ میں اس سے مسجد قبا، مراد نہو بلکہ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى اپنے عمومیت مفہوم کے لحاظ سے دونوں مسجدوں کو شامل ہے۔ یا جیسے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ: بار خدایا! یہ میرے اہل بیت ہیں۔ اب اسکے یہ معنی نہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج اسکے مفہوم سے خارج ہیں بلکہ در اصل آیت کا نزول ازواج مطہرات ہی کے لیئے تھا جیسے کہ سیاق سے واضح ہے۔ اسکی توضیح ایک اور مثال سے ہوسکتی ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لیس الشدید بالصرعة انما الشدید الذی یملک نفسه عند الغضب (پہلوان وہ شخص نہیں جو لوگوں کو پچھاڑتا پھرے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ کے

وقت اپنے آپ کو ضبط میں رکھے" اب اسکے یہ معنی نہیں کہ جو شخص دوسروں کو پچھاڑتا ہے وہ پہلوان نہیں بلکہ اسکے یہ معنی ہیں کہ جو شخص غصہ کے وقت میں اپنے آپ کو ضبط میں رکھ سکتا ہے وہ بطریق اولی پہلوان ہے۔ اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چاند کی طرف اشارہ کرکے یہ فرمانا کہ ھٰذا ھو الغاسق یہ معنی نہیں رکھتا کہ شب تاریک غاسق کا مفہوم نہیں بلکہ اسکے یہ معنی ہیں کہ چاند بھی غاسق کے مفہوم میں داخل ہے۔

اذا وقب کے معنی

یہ قول ضعیف ہے کہ غاسق سے مراد چاند بحالت خسوف ہے۔ اور اِذَا وَقَبَ کے یہ معنی ہیں کہ جب اسکو گرہن لگ جائے۔ یہ سلف میں سے کسی کا قول نہیں۔ ترمذی کی حدیث میں اس بات کا کچھ ذکر نہیں کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کی طرف اشارہ کرکے فرمایا ھٰذا ھو الغاسق۔ تو اُس وقت وہ خسوف زدہ تھا۔ لیکن اگر وہ خسوف زدہ ہوتا تو راوی پر لازم تھا کہ وہ اُس حالت کی تصریح کرتا۔ علاوہ ازیں لغت سے اسکی تائید نہیں ہوتی، کیونکہ وقوب کہیں بھی خسوف کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا بلکہ وقوب کے معنی دخول کے ہیں۔ وَمِن شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ یعنی من شر اللیل اذا دخل" بعض مفسرین کا قول ہے۔ کہ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ کے معنی ہیں ثریا کے ستارے جبکہ وہ غروب ہونے لگیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ثریا (پروین) یا خوشۂ آسمان) کا جب طلوع ہوتا ہے تو بیماریاں اور آفتیں کم ہوجاتی ہیں لیکن اسکے غروب ہونے کے زمانہ میں بیماریوں اور آفتوں کا نزول ہوتا ہے۔ اگر ان لوگوں کی مراد اپنے قول سے یہ ہے کہ غاسق کا لفظ اپنے عموم کے لحاظ سے پروین کی اس حالت خاص کو بھی شامل ہے تب تو اس میں کچھ حرج نہیں اور ممکن ہے کہ ایسا ہو، لیکن اگر ان کا خیال یہ ہے کہ غاسق کا مفہوم انہی کے بیان کردہ معنوں تک محدود ہو تو یہ قطعاً باطل ہے۔

فصل سوم

رات اور چاند سے استعاذہ کی حقیقت

رات کی تاریکی

شب تاریک اور چاند کے شر سے استعاذہ اسلیئے مامور بہ ہوا ہے کہ رات کے آغاز پر شر پسند خبیث روحیں پھیل جاتی ہیں اور شیطان جابجا پھرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ "سورج کے غروب ہونے پر جابجا شیطان پھرنے لگتے ہیں۔" اور اسی لیئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ غروب کے بعد اپنے بچوں کو باہر جانے دو اور چوپایوں کو گھر میں باندھ رکھو جبتک کہ عشا ڈھل جائے۔" ایک اور حدیث میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ کے موافق اپنی مخلوق کو پھیلاتا ہے۔" رات ، تاریکی کا وقت ہے اور اس میں شیاطین الانس والجن کو وہ غلبہ حاصل ہو سکتا ہے جو دن کے وقت سورج کی روشنی میں حاصل نہیں ہو سکتا۔ دن ، روشنی کا وقت ہے اور شیطان کو اس سے نفرت ہے۔ وہ تاریکی کو زیادہ پسند کرتا ہے اور سیاہ کار تاریک عمل لوگوں پر اس کو تسلط حاصل ہوتا ہے۔

دن کی روشنی

کہتے ہیں کہ مسیلمہ کذّاب (مدعی نبوت) سے کسی نے دریافت کیا کہ تم پر کس طرح اور کن اوقات میں القا ہوتا ہے؟ اُس نے جواب میں کہا کہ جب گُھپ اندھیرا ہوتا ہے تو مجھ پر القا ہوتا ہے۔ پھر اس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا دن کی روشنی میں مجھ پر وحی آتی ہے۔ اس سے اُس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور اوّل الذکر کے جھوٹا ہونے پر استدلال کیا۔ اسی طرح جادو کا اثر بھی رات کو زیادہ ہوتا ہے۔ اور جادو کے جو اعمال رات کے وقت عمل میں لائے جاتے ہیں عام طور پر مشہور ہے کہ ان کا اثر قوی تر ہوتا ہے، اور جس طرح تاریک گھر

اور تاریک جگہیں شیطان کا مسکن اور اسکی جولان گاہ بنی رہتی ہیں۔ اسی طرح جو دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے منور نہیں ہوئے وہ بھی شیطان کے اثر کو زیادہ قبول کرتے ہیں۔ اور وہ ان کے اندر آسانی سے گھس جاتا ہے۔

فصل چہارم

استعاذہ برب الفلق کے اسرار

نور اور ظلمت

اس سے تم کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ رَبِّ الْفَلَقِ (صبح کا مالک خدا) کا لفظ یہاں پر استعمال کرنا کہاں تک موزوں اور مناسب ہے صبح کی روشنی سے نور کی بادشاہت کا آغاز ہوتا ہے۔ اسکے ظہور پر تاریکی کا لشکر شکست کھا جاتا ہے اور رات کی تاریکی میں شر و فساد پھیلانے والوں کی جمعیت تتر بتر ہو جاتی ہے۔ ہر ایک خبیث الطبع شریر۔ تمام چور اور رہزن، مفسدہ پرداز جن اور شیطان کسی نہ کسی جگہ چھپ جاتے ہیں اور زہر دار خزندے اپنے بلوں میں گھس کر نظر سے غائب ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مامور فرمایا ہے کہ روشنی کے مالک خدا کے ساتھ پناہ مانگیں جو ظلمت کی شکست کا موجب ہے۔

تقابل ایمان و کفر

اللہ تعالیٰ نے جا بجا اپنے کلام پاک میں اس بات کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔ اور کافروں کو تاریکی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیتا ہے:۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ (۲: ۲۵۷)	اللہ تعالیٰ مومنوں کا دوست ہے ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے لیکن کافروں کے دوست شیطان ہیں جو انکو روشنی سے نکالکر تاریکی کیطرف لیجاتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا (۶ : ۱۲۳)

کیا وہ شخص جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اسکو زندہ کیا اور اسکے لیے روشنی بنائی جو تاریکیوں میں اسکے لیے مشعل راہ کا کام دیتی ہو اس شخص کے برابر ہو جو تاریکیوں میں مبتلا ہو جس سے نکلنے کی راہ اسکو نہیں ملتی

اسی طرح کافروں کے لیے مثال بیان فرمائی ہے:-

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ

(۲۴ : ۴۰)

انکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سمندر کی لہروں میں تاریکیوں کے اندر محصور ہو تہ بر تہ لہروں کے اوپر بادلوں کی بھی ایک تہ ہو جس سے اندھیرے کی بھی تہیں بن گئی ہوں اپنا ہاتھ نکالنے پر اسکو وہ ہاتھ تک دکھائی نہیں دیتا اور جسکو اللہ تعالی سے نور نہیں ملا وہ نور سے بالکلیہ محروم رہیگا۔

اس آیت سے پہلے کی آیت میں مومنوں کی مثال حسب ذیل بیان فرمائی ہے:

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ

(۲۴ : ۳۵)

اسکے نور کی مثال ایک طاقچے کی ہے جس میں ایک چراغ دھرا ہو وہ چراغ ایک شیشے کے اندر ہو جو ایک ستارہ درخشاں کی طرح چمکتا ہے وہ چراغ ایک مبارک درخت یعنی زیتون کی عمدہ ترین قسم کے تیل سے جلایا جاتا ہے جو قریب ہے کہ آگ کے ساتھ چھو جانے سے بھی پیشتر بھڑک اٹھے اوپر تلے روشنی ہی روشنی ہے اور اللہ تعالی جسکو چاہتا ہے اپنے نور کیطرف ہدایت فرماتا ہے۔

الغرض ایمان ایک نور ہی جس کا مآل نور کی طرف ہو۔ اس کا مستقر مومن کا دل ہی جو چراغ کی طرح روشن ہی اور ایمان والوں کا ربط ضبط ارواح طیبہ اور ملائکہ علیہم السلام کے نورانی وجودوں سے ساتھ رہتا ہی۔ برخلاف اسکے کفر اور شرک ایک تاریکی ہی جس کا مآل تاریکی کی طرف ہے اور اسکی قرارگاہ کافروں کے پرظلمت دل ہیں اور اہل کفر کا میل جول ارواح خبیثہ اور شیاطین کی تاریک ہستیوں کے ساتھ ہی۔ اس لیے سورہ فلق میں روشنی صبح کے مالک خدا کے ساتھ شب تاریک کے شر سے پناہ مانگی گئی ہی۔ (فتامل) اور اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ کلام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق رسالت کی ایک بیّن دلیل ہی اور وہ شیاطین کے آوردہ کلام کے بالکل متضاد ہی:-

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ۔ (۲۶: ۲۱۰-۲۱۱)	اس کلام پاک کو شیاطین نے نہیں اتارا اور نہ ہی ایسے پاکیزہ کلام کا اتارنا انکے حسب حال اور نہ انکے لیے ممکن ہی۔

فصل پنجم

تفسیر الفلق

فلق بمعنی پھوٹنا

لفظ فلق روشنی صبح کا مادہ پھوٹنے پر اگر متعدی فعل ہو تو چیرنے پھاڑنے پر دلالت کرتا ہی اور یہ صفت کم و بیش تمام مخلوقات میں پائی جاتی ہی چنانچہ صبح کی پو پھٹنا، اناج کے دانوں اور گٹھلیوں کا پھوٹنا، زمین کا پھوٹنا اور اسکے انواع و اقسام نباتات کا پھوٹ کر نکلنا، پہاڑوں سے چشموں کا پھوٹنا، بادلوں کا پھوٹ پڑنا اور ان سے بارش کا نازل ہونا، رحم مادر کا پھوٹنا اور اس سے بچہ کا پیدا ہونا وغیرہ وغیرہ۔

فلق بمعنی لزوم علیحدگی

پھوٹنے کے ساتھ دونوں چیزوں میں فرق ہو جانا اور علیحدگی کی نمودار ہونا لازم ہے۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ جسمانی اشیا میں یہ صفت پائی جاتی ہے اسی طرح اللہ جل شانہٗ حق اور باطل کو بھی جدا کرتا اور اُن میں علیحدگی پیدا کرتا ہے۔ اور اسی لیے اس نے اپنی کتاب مقدس کا نام فرقان رکھا ہے یعنی حق اور باطل میں جدائی کرنے والی کتاب۔ علیٰ ہذا جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کی حمایت فرماتا اور اُن کے دشمنوں پر عذاب اور ہلاکت نازل فرماتا ہے جس سے دین حق اور باطل میں علیحدگی نمودار ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے اس فعل کو بھی فرقان کہا جاتا ہے:-

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ۔ (۲ : ۵۳)	جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ایک کتاب دی اور اسکے دین حق کا بول بالا کرنے کیلئے اسکو فرقان دیا۔

(اُسکے دوستوں اور دشمنوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا ایک فریق کو نجات دی اور دوسرے کو غرق کر دیا)

اس سے بھی تم کو ربّ الفلق اور من شرِّ غاسقٍ اذا وقب کے درمیان معنوی مناسبت واضح ہو گئی ہوگی۔ (فتامل)۔

فصل ششم

شر کی تیسری قسم

استعاذہ من شر النفّٰثٰت

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ	اور گانٹھوں پر پھونکنے والی جماعتوں کے شر سے میں پناہ مانگتا ہوں۔

اس آیت میں شر کی تیسری قسم کا ذکر ہے گانٹھوں پر پھونکنے والی جماعتوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو کسی دھاگے میں گرہیں لگا کر ہر ایک گرہ پر جادوگرنے کی غرض سے کچھ منتر جنتر پھونکتے ہیں اور چونکہ ساحر (جادوگر) کا نفس کیفیت خبیثہ کے ساتھ آلودہ ہوتا ہے اور مناسبت کی

وجہ سے شیاطین کے نفوسِ خبیثہ اسکی اعانت کے لیئے آمادہ ہوتے ہیں۔ قانونِ قدرت کی مقررہ دفعات (جس کی حقیقت اور تفصیل کا علم صرف خدائے عالم الغیب کو ہی) کے بموجب اس کا اثر مسحور پر ہوتا ہی۔ النّفّٰثٰت کا لفظ جمع مؤنث ہی۔ اور اس لیئے یہاں پر ایک سوال وارد ہوتا ہی کہ :۔

سوال

سحر کا عمل تو مذکر اور مؤنث دونوں سے صادر ہوتا ہی، پھر مؤنث کی تخصیص کیا معنی رکھتی ہی؟

جواب

اس کا جواب ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا ہی کہ اس صیغہ کا استعمال تخصیص کے لیئے نہیں بلکہ ایک امر واقع کی بنا پر ہی۔ کیوں کہ لبید بن اعصم یہودی کی بیٹیوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کا عمل کیا تھا۔ اور اس کا اثر زائل کرنیکے لیئے یہ دونوں سورتیں پہلے پہل نازل ہوئی تھیں، لیکن یہ جواب چنداں تحقیق پر مبنی نہیں، کیوں کہ صحیح روایات سے یہ ثابت ہی کہ سحر کرنے والا خود لبید بن اعصم تھا۔ اس لیئے تحقیقی جواب یہ ہی کہ چوں کہ سحر کے مؤثر ہونے میں نفوس اور ارواح خبیثہ کو بڑا دخل ہی۔ اور یہ دونوں لفظ کلام عرب میں مؤنث استعمال ہوتے ہیں، اس لیئے اَلنَّفّٰثٰتِ مؤنث کا صیغہ استعمال کیا گیا۔

واقعہ سحر النّبی صلی اللہ علیہ وسلم

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا اور اس کا یہاں تک اثر ہوا کہ بعض اوقات آپ کو خیال پیدا ہوتا تھا کہ میں نے فلاں کام کر لیا ہی، لیکن حقیقت میں نہیں کیا ہوتا تھا۔ جب یہ حالت پیدا ہوئی تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اور پھر مجھ سے (حضرت عائشہ رض سے) اس طرح مخاطب ہوئے۔ کیا تمکو معلوم ہی کہ جس بات کے لیئے میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی اُس بارے میں مجکو

تحتی علم عنایت ہوا ہو؟ حضرت عائشہ رض نے عرض کیا یہ کیسے یا رسول! آپ نے فرمایا کہ میرے پاس (خواب یا مکاشفہ کی حالت میں) دو آدمی آئے تھے ایک اُن میں سے میرے سرہانے بیٹھ گیا اور دوسرا پاؤں کے پاس، جس کے بعد ایک نے دوسرے سے کہا اس شخص کو کیا بیماری ہے؟ دوسرے نے کہا اس پر جادو کیا گیا ہو۔ پہلے نے پھر کہا کس نے اس پر جادو کیا ہو؟ دوسرے نے جواب دیا کہ لبید بن اعصم نے۔ پہلے نے دریافت کیا کہ کس چیز کے ذریعہ سے؟ اس نے کہا کہ کنگھی سے گرائے ہوئے بالوں اور نر کھجور کے گابھے کے غلاف کے ذریعہ سے۔ پہلے نے سوال کیا کہ وہ جادو کہاں ہو؟ اس نے کہا ذروان کے کنوئیں میں جو بنی زریق کے قبیلہ میں ہو۔ اس واقعہ کے دکھائی دینے کے بعد آپ اس کنوئیں پر تشریف لے گئے اور واپس آکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اس طرح بیان فرمایا کہ اس کا پانی اس قدر سُرخ تھا گویا اس میں مہندی کے پتے بھگوئے گئے ہیں، اور اُسکے اردگرد کھجور کے درخت شیطانوں کے سر معلوم ہوتے تھے (بدصورت اور بدنما ہونے کی وجہ سے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! تو آپ نے اسکو نکالا نہیں؟ آپ نے فرمایا مجکو اللہ تعالیٰ نے شفا بخشی تو میں نے مناسب خیال نہیں کیا کہ لوگوں میں فتنہ و فساد پیدا کروں اس کے بعد اس کنوئیں کو بند کیا گیا۔"

ھل یستخرج السحر

صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت سے بظاہر اُس کا نکالنا ثابت ہوتا ہو۔ اس دوسری روایت کے الفاظ حسب ذیل ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا اور اس کا یہاں تک اثر ہوا کہ بعض اوقات آپ خیال کرتے تھے کہ ہم بستر ہوئے ہیں لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا تھا۔ سُفیان جو اس حدیث کا راوی ہی اس کا قول ہی کہ یہ سحر کی شدید ترین قسم ہی۔ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ کیا تم کو معلوم ہو کہ جس بات کے لیے

میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی اس بات میں مجھے قطعی علم بخش دیا ہو۔ دو آدمی میرے پاس آئے۔ ایک میرے سرہانے اور دوسرا میری پائنتی بیٹھ گیا۔ جو میرے سرہانے تھا اُس نے دوسرے سے کہا اس شخص کو کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا اس پر جادو کیا گیا ہے۔ پہلے نے کہا کس نے اس پر جادو کیا ہے؟ دوسرے نے کہا لبید بن اعصم نے۔ یہ بنی زریق کا ایک شخص تھا جو یہودیوں کا حلیف تھا اور منافق تھا۔ پھر پہلے نے کہا اُس نے کس چیز کے ذریعہ سے جادو کیا ہے؟ اس نے کہا نر کھجور کے گابھے کے غلاف میں جو ذروان کے کنوئیں میں ایک چکی کے پاٹ کے نیچے رکھا ہوا ہے۔ اسکے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کنوئیں پر تشریف لے گئے اور اسکو باہر نکال لیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ وہ کنواں ہے جو مجھے (خواب یا مکاشفہ کی حالت میں) دکھایا گیا۔ اسکا پانی مہندی کے خیساندہ کی طرح سرخ تھا اور اس کے اردگرد کھجوروں کے درخت شیطانوں کے سر معلوم ہوتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ پھر اسکو کھولا کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے شفا بخش دی ہے۔ اور میں یہ نہیں چاہتا کہ لوگوں میں فتنہ و فساد پیدا کروں۔"

اس حدیث کا امام بخاری نے عنوان بھی یہ قائم کیا ہے کہ "ھل یستخرج السحر" کیا جادو نکالا جائے؟ "قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: ایک شخص پر جادو کیا گیا ہے اور وہ اپنی بیوی کے ساتھ ہمبستر ہونے سے رکا گیا ہے کیا اس جادو کو کھولا جائے؟ اس نے جواب دیا کچھ حرج نہیں۔ اسکی غرض تو اصلاح ہے اور ایسی باتوں سے شریعت نے منع نہیں فرمایا جس میں لوگوں کا فائدہ ہو۔"

تناقض روایات

الغرض دونوں مندرجہ بالا روایتوں میں بظاہر تناقض معلوم ہوتا ہے، ایک سے نکالنا اور ایک سے نہ نکالنا ثابت ہوتا ہے لیکن درحقیقت ان میں کچھ تعارض نہیں نکالنے سے یہ مراد ہے کہ آپ نے خود اسکو نکال کر دیکھا اور پھر دفن کر دیا۔ لیکن نہ نکالنے سے مراد یہ ہے کہ باہر

منظر عام پر اسکو نہیں لائے اور لوگوں کو نہیں دکھایا، جس کا مانع بھی آپنے بیان فرمایا۔ اور وہ یہ ہو کہ اگر آپ ایسا کرتے تو مسلمانوں میں ایک جوش پیدا ہوجاتا اور اُن کا خاموش رہنا ممکن نہ تھا جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ساحر کی قوم بھی اس کی حمایت کے لیئے کھڑی ہوجاتی اور فریقین میں فتنہ وفساد کی آگ مشتعل ہوکر اُسکی چنگاریاں دُور دُور تک پھیل جاتیں اور پھر اُس کا فرو کرنا دشوار ہوجاتا۔ اور چوں کہ مقصود حاصل ہوچکا تھا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے شفا بخش دی تھی اس لیئے جادو کو نکالکر منظر عام پر لانا اور خواہ مخواہ لوگوں کے جذبات کو تحریک دینا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب خیال نہیں فرمایا جو آپ کے کریم النفس ہونے کی ایک روشن دلیل ہو۔

متکلمین کا قول

یہ حدیث اہل علم کے نزدیک ثابت ہو اور سبنے اسکو مقبول قرار دیا ہو کسی کو بھی اسکی صحت میں اختلاف نہیں لیکن اکثر اہل کلام نے اس حدیث کی صحت سے انکار کیا ہو۔ اور اسکی تکذیب کی ہو۔ چنانچہ بعض متکلمین نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہو[1]۔ اور جو دلائل اُنھوں نے اس حدیث کے رد میں لکھے ہیں اُن کا ملخص یہ ہو کہ اس حدیث کے راوی کو غلطی ہوئی ہو۔ اور حقیقت میں کوئی اس قسم کا واقعہ پیش نہیں آیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سے یہ بعید ہو کہ آپ پر سحر کا اثر ہو۔ کیوں کہ اگر ہم مان لیں کہ آپ پر جادو کا اثر ہوا تھا تو اس سے کافروں کے قول کی تصدیق ہوجائے گی جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسحور کہا کرتے تھے بلکہ انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حق میں بھی کافر لوگ ایسا ہی بکواس کیا کرتے تھے۔ چنانچہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا:۔

وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا مُوسَىٰ مَسْحُورًا (۱۰۱:۱۷)	اور اے موسیٰ میرا تو خیال ہو کہ تم پر کسی نے جادو کیا ہو

اور صالح اور شعیب علیہما السلام کی قوم نے ان کو انھی لفظوں سے مخاطب کیا تھا۔

---

[1] سرسید مرحوم نے بھی حقیقۃ السحر کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہو۔ مترجم

إِنَّمَآ أَنتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ۝ (۲۶: ۱۵۳) | بیشک تم اُن میں سے ہو جن پر جادو کیا گیا ہو۔

لیکن یہ کفار کا قول ہو اور حقیقت یہ ہو کہ انبیائے علیہم السلام کا سحر کے اثر سے محفوظ رہنا لازم ہو، کیوں کہ اگر ہم اِس کو جائز تصور کریں تو اِس کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ شیطان کے اثر میں آسکتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں حمایت اور عصمت کا جو وعدہ فرمایا ہو اللہ تعالیٰ نے اُس کو پورا نہیں کیا۔ وغیرہ وغیرہ !!

اہلِ علم کی رائے

متکلمین کے یہ دلائل علمائے حدیث کے نزدیک کچھ وزن نہیں رکھتے، کیوں کہ ہشام جو اِس حدیث کا راوی ہو نہایت ثقہ اور بہت بڑا عالم ہو۔ اور ائمہ حدیث میں سے کسی نے بھی اُنکی روایت کو قابلِ اعتراض خیال نہیں کیا۔ اِس لیے متکلمین کی جرح قدح سے وہ مطعون قرار نہیں دیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں ہشام سے قطع نظر کر کے دوسرے متعدد راویوں نے اِس حدیث کو روایت کیا ہو۔ اور امام بخاری اور امام مسلم کا متفقہ فیصلہ یہ ہو کہ یہ حدیث صحیح ہو۔ اور اہلِ حدیث میں سے کسی نے بھی ان کے اس فیصلہ پر نکتہ چینی نہیں کی۔

مفسرین، اہلِ حدیث، فقہاء اور مورخین سب کے نزدیک یہ ایک مشہور اور تسلیم شدہ واقعہ ہو۔ اور متکلمین کی نسبت یہ لوگ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت (حالاتِ زندگی) کو زیادہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ ابو بکر بن ابی شیبہ نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہو کہ ایک یہودی نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تھا جس کے اثر سے کئی روز تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شکایت رہی۔ اس کے بعد جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کے پاس تشریف لائے اور کہا کہ ایک یہودی نے آپ پر جادو کیا ہو اور گرہیں لگائی ہیں، چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی بھیج کر وہ گرہیں (کنوئیں سے) نکلوا لیں اور اُن کو کھولنا شروع کیا۔ جب ہی آپ کوئی گرہ کھولتے تھے اُس سے آپ کو تخفیف محسوس

ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ جب تمام گرہیں کھول دیں تو آپ کی طبیعت بالکل ہلکی پھلکی ہوگئی۔ آپ نے یہودی سے اِس کا ذکر تک نہیں کیا۔ اور نہ کبھی آپکے چہرہِ مبارک پر اسکی کوئی علامت دیکھی گئی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ایک یہودی غلام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا، یہودیوں نے اُسے بہکانا شروع کیا اور اُسکو مجبور کیا کہ وہ اُن کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنگھی سے گرے ہوئے بال اور آپ کی کنگھی کے چند ایک دندانے دے، چنانچہ یہودیوں نے اِن دونوں چیزوں کے ذریعہ آپ پر جادو کیا۔ اور اس کام کو لبید ابن اعصم نے انجام دیا۔

سورۃ فلق اور سورۃ ناس اِس بارے میں نازل ہوئیں۔ اِن سورتوں کی گیارہ آیتیں ہیں، سورۃ فلق کی پانچ اور سورۃ ناس کی چھ۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن کو پڑھنا شروع کیا، تو ہر ایک آیت کے ختم ہونے پر ایک گرہ کھُل جاتی تھی، یہاں تک کہ تمام گرہیں کھُل گئیں۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیماری کے اثر سے بالکل آزاد ہوگئے۔

ایک روایت میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھ مہینے تک اُسکے اثر میں مبتلا رہے تین دن تک اسکی شدت رہی۔ اور بالآخر معوذتین نازل ہوئیں۔

جادو ایک عارضہ ہے

مشککین کے جواب میں اہل حدیث کہتے ہیں کہ جادو کا اثر بھی دوسری بیماریوں کی طرح ایک عارضہ ہے، جس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ مدت تک مبتلا رہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے نجات دی اور شفا بخشی۔ بیماری کا عارض ہونا انبیاء علیہم السلام کے لیئے کوئی عیب کی بات نہیں (بلکہ اُنکی بشریت کا اقتضا ہے) یہاں تک کہ بعض حالات مرض میں اِن پر بیہوشی بھی طاری ہوسکتی ہے، چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض الموت میں چند مرتبہ اس کا طاری ہونا صحیح روایت سے ثابت ہے۔

ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالاخانہ سے گرے تو آپ کا قدم اکھڑ گیا (آپکے قدم کی ہڈی اتر گئی) اور ایک دفعہ گھوڑے سے گرنے کا اتفاق ہوا تو آپ کئی دن تک باہر نہیں نکل سکے کیوں کہ آپ کا پہلوئے مبارک چھل گیا تھا۔ اِس قسم کے عوارض کا پیش آنا کمالِ نبوت کے منافی نہیں ہے مرض اور مصیبت سے درجات میں زیادتی ہوتی ہے۔

ایک حدیث کا مضمون ہے کہ سب سے زائد انبیاء علیہم السلام کو مصیبتیں پیش آتی ہیں۔ تم نے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حالات میں پڑھا ہوگا کہ دینِ حق کی دعوت اور تبلیغ میں اُن کو کیا کیا تکالیف برداشت کرنی پڑی ہیں؟ اس لیے اِس میں کونسی تعجب کی بات ہے اگر آپ کو اپنے دشمنوں سے اُنکے جادو کا عمل کرنے کی وجہ سے کسیقدر تکلیف سہنی پڑی ہو جیسے کہ یہ ایک امر ممکن بلکہ امر واقع ہے کہ اعدائے ملت نے آپ کو تیر و شمشیر سے زخمی کیا اور ایک مرتبہ اُنہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر نماز کی حالت میں اوجھڑی رکھ دی تھی۔ یہ تمام واقعات ابتلاء کی قسم سے ہیں اور وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہرگز کسرِ شان اور عیب و تنقیص کے موجب نہیں ہیں بلکہ علوِ درجات کا باعث ہے۔

صحیحین میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور کہا اے محمدؐ! کیا تمہیں بیماری کی شکایت ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اثبات میں جواب دیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: بِسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْکَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ یُّؤْذِیْکَ مِنْ شَرِّ کُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَیْنِ حَاسِدٍ اَللّٰہُ یَشْفِیْکَ بِسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْکَ (میں اللہ تعالیٰ کے نام سے تمہارے لیے منتر کرتا ہوں ہر ایک ایسی چیز سے جو تم کو تکلیف دیتی ہے ہر ایک نفس کے شر سے اور حاسد کی آنکھ سے اللہ تعالیٰ ہی تم کو شفا عنایت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی کے نام سے میں تمہارے لیے منتر کرتا ہوں)۔

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی شکایت کسی نفس شریر یا حاسد کے شر سے تھی جس کے

حاشیہ: اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ اگرچہ وہ اعلیٰ مراتب تک پہنچ چکے ہیں لیکن پھر بھی بشریت کے اوصاف سے وہ مبرا نہیں قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ۔ اور اس لیے اُن کو خدا کا شریک مت ٹھیراؤ ۱۲ مترجم

زائل کرنے کیلئے جبرئیل علیہ السلام نے مندرجہ بالا الفاظ میں آپ پر منتر پڑھا۔

منکرین سحر کا رد

رہا منکرین کا یہ استدلال کہ کافر لوگ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسحور کہا کرتے تھے۔ اور فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو مسحور کے لفظ سے اور صالح اور شعیب علیہم السلام کو ان کی قوم نے مسحر کے لفظ سے مخاطب کیا۔ الیٰ آخر ما قال۔ اس کا جواب بعض اہل حدیث نے یہ دیا ہے کہ مسحور اور مسحر کا اشتقاق سحر بمعنی پھیپھڑے سے ہے مسحور کے معنی پھیپھڑے والا یعنی انسان۔ اس سے کافروں کی مراد یہ تھی کہ پیغمبر بھی ہماری طرح انسان ہے لیکن یہ جواب بہت ہی ناپسندیدہ اور دور از صواب ہے کیوں کہ بشر کو مسحور کے لفظ سے تعبیر کرنا لغت کے کسی استعمال سے ثابت نہیں۔ اور کلام مجید کو بغور پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں کافروں کو یہ کہنا منظور ہوتا تھا کہ تم بھی ہماری طرح انسان ہو وہاں صریح بشر کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (۱۴ : ۱۰) اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا وغیرہ۔

سحر و مسحور کی تحقیق

علاوہ ازیں اگر مسحور کے معنی پھیپھڑا رکھنے والا انسان ہوتا تو فرعون کا یہ کہنا کہ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا نہایت بیہودہ معلوم ہوتا ہے۔ کیا اسکو اس بات کا علم نہیں تھا کہ موسیٰ علیہ السلام ایک پھیپھڑا رکھنے والا انسان ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب دینا کہ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا (۱۷ : ۱۰۲) اے فرعون! میں تم کو ہلاک ہوتا ہوا خیال کرتا ہوں نا موزوں ہوگا بلکہ اگر مسحور سے مراد انسان تھا تو موسیٰ علیہ السلام کو یہ جواب دینا مناسب تھا۔ کہ بے شک میں انسان ہوں لیکن بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھکو تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے جیسے کہ سورۃ ابراہیم میں کافروں اور انبیاء علیہم السلام کا آپس کا خطاب اس طرح منقول ہے کہ جب کافروں نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے یہ کہا کہ تم بھی تو ہم

جیسے بشر ہو تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اُسکے جواب میں یہ فرمایا کہ:

اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ (۱۴ : ۱۱)	بیشک ہم تم جیسے انسان ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنی عنایت سے مخصوص فرماتا ہے

الغرض بعض اہل حدیث کا یہ جواب نہایت ہی کمزور ہے بعض دوسرے اہل حدیث اور مفسرین نے جن میں سے ایک ابن جریر طبری ہیں یہ جواب دیا ہے کہ مسحور کے معنی ہیں وہ شخص جسکو جادو سکھلایا گیا ہو، گویا ساحر اور مسحور کے اُنکے نزدیک ایک معنی ہیں لیکن ساحر پر مسحور کا اطلاق لغت سے ثابت نہیں بلکہ مسحور اُس شخص کو کہتے ہیں جس پر دوسرے نے جادو کیا ہو۔ اور ساحر اُسکو کہتے ہیں جو سحر کا علم جانتا ہو جیسے کہ فرعون کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام کے حق میں کہا تھا کہ: اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۝۔ الغرض فرعون نے اُس کو مسحور اور اُسکی قوم نے اُسکو ساحر کہا۔

سحر بمعنی جُنّ

اِس لیئے سب سے بہتر ایک تیسرا جواب ہے جس کو علامہ زمخشری مصنف کشاف اور دوسرے مفسرین نے اختیار کیا ہے کہ مسحور کا لفظ قیاس لغوی کے مطابق اسم مفعول کے معنی رکھتا ہے۔ لیکن اس کا مادہ سِحر بمعنی جُنّ (مجنون ہوا) مسحور کے معنی بے سمجھ دیوانہ جس کی عقل زائل ہو چکی ہو۔ جیسا کہ کافروں کا قول تھا کہ:

اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ (۱۷ : ۴۷)	(جسکے معنی اِس تفسیر کے مطابق یہ ہیں) کہ تم تو دیوانے مسلوب العقل کے پیچھے جارہے ہو۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ قابل اتباع و تقلید وہ شخص نہیں ہوتا جو عقل سے خالی ہے۔ وہ جسمانی امراض اور تکالیف کسی ذی عقل و ہوش کے نزدیک اتباع سے مانع نہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے دشمنوں نے اُن کو امراض اور جسمانی تکالیف کا کبھی طعنہ نہیں دیا۔ اور نہ ہی اُن کا ایسا کہنا دوسروں کے لیئے اتباع سے مانع ہوسکتا تھا اِسی لیئے کبھی تو وہ آپ کو شاعر، کبھی ساحر اور کبھی مجنون کہتے تھے۔ قال اللہ تعالیٰ:۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًاo

(۱۷ : ۴۸)

دیکھو یہ لوگ تمہارے لیئے کیسی کیسی مثالیں بیان کرتے ہیں جسکا نتیجہ یہ ہو کہ وہ گمراہ ہوگئے اور اپنی گمراہی میں سرگرداں ہیں کہ ان کو راستہ ہی نہیں ملتا۔

راستہ نہ ملنے کا مطلب یہ ہو کہ اُن کا مقصد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے لوگوں کو روکنا ہو جس کے حصول کے لیئے وہ آپ کو مختلف ناموں سے پکارتے ہیں۔ لیکن ایک صاحب بصیرت انسان آپ کی سیرت اور آپ کے احوال کا بنظر امعان مطالعہ کرکے یقین کرلیتا ہو کہ جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں وہ سراسر کذب اور بُہتان ہو۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی اِن افترا پردازیوں سے بعید ترین انسان ہیں۔

متکلمین کے قول کا رد

متکلمین کا یہ کہنا کہ اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہوا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی حمایت اور حفاظت ناقص ہوتی۔ اِس کا جواب یہ ہو کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کی حمایت اور نُصرت فرماتا ہو۔ اِسی طرح اپنی حکمت بالغہ سے بعض مصلحتہائے خاصہ کے لیئے ان کو بعض تکالیف میں مبتلا بھی کرتا ہو جس سے اُن کو عزّ و کرامت کے مراتب میں رفعت حاصل ہوتی ہو۔ اور اِن واقعات میں اُن کے خلفاء اور افرادِ اُمت کے لیئے درس عبرت ہوتا ہو۔ جب اُنکو راہِ حق میں کوئی مصیبت اور تکلیف پیش آتی ہو اور وہ دیکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی اِس قسم کی تکلیفیں پیش آئی تھیں جن کو اُنھوں نے نہایت ثابت قدمی اور پامردی کے ساتھ برداشت کیا تو ان کے حوصلے بڑھ جاتے ہیں اور وہ مشکلیں اُن کے لیئے آسان ہوجاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے افعال میں متعدد حکمتیں ہوتی ہیں۔ جن کے ادراک سے اکثر اوقات انسان کی عقل قاصر رہتی ہو۔ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔

فصل ہفتم

جادو کا اثر مسلّم ہے!

قال اللہ وقال الرسول

اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ اور نیز وہ حدیثیں جن کا بیان گزشتہ فصل میں ہوا ہے اس بات کی دلیل ہیں کہ جادو کی تاثیر حق ہے اور وہ ایک حقیقت ہے محض تخیل نہیں، لیکن معتزلہ اور بعض دوسرے اہل کلام اس کے منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جادو کے ذریعہ سے کسی کو بیمار یا قتل نہیں کیا جا سکتا، اور نہ ہی حقیقی طور پر کوئی دوسرا اثر از قسم حُب و بغض اسکے ذریعہ پیدا کر سکتے ہیں، جادو کی حقیقت یہیں تک محدود ہے کہ اس کے ذریعہ سے قوت متخیلہ پر اثر ڈال سکتے ہیں۔ اور اس میں حسب ارادہ تغیر پیدا کر سکتے ہیں۔

صحابہؓ اور سلفؒ کا مذہب

لیکن اُن کا یہ قول صحابہؓ اور سلف کی متواتر روایات کے خلاف ہے مفسرین و اہل حدیثؒ فقہاءؒ و اہل تصوف اور عام عقلاء کا قول بھی ان کے خلاف ہے۔ سحر کے ذریعہ سے کسی کو بیمار بنا دینا، اسکو ہلاک کرنا، یا اُسکے ذریعہ سے حُب و بغض پیدا کرنا اور اسکے علاوہ دوسرے اثرات کا ظہور میں آنا ایک حقیقت واقعیہ ہے جس کو عام لوگوں نے مشاہدہ کیا ہے اور بہت سے اشخاص کو اس کا وجدانی علم ہے کیوں کہ اُن پر جادو کا اثر ہوا ہے جسکو انہوں نے یقینی طور پر محسوس کیا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ساحروں کا عمل غائبانہ بھی مضر اثر واقع کا باعث ہوتا ہے اور اگر منکرین کے قول کے مطابق اُس کا اثر اس حالت تک محدود ہوتا جبکہ مسحور حاضر ہو تو اس صورت میں نفّٰثٰت کے شر سے کوئی شر نہ ہوتا جس سے پناہ مانگنے کی ضرورت پیش آتی نیز جبکہ وہ خود اس بات کے قائل ہیں کہ ساحر تمام حاضرین کی باوجود ان کی کثرت کے چشم بندی کر سکتا ہے

یہاں تک کہ وہ ایک چیز کو اُسکی اصلی صورت کے برخلاف مشاہدہ کرا سکتا ہے۔ بالفاظ دیگر وہ اُن کے حواس میں حسب الارادہ تغیر پیدا کر سکتا ہے تو کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ معاینین یا ناظرین کے بعض عوارض اور قُوائے و طبائع میں کوئی مطلوبہ تغیر پیدا کرے؟ اور کیا قوتِ باصرہ اور دوسرے حواس یا اور قوائے میں کوئی ایسا فرق موجود ہے؟ جس کی وجہ سے ساحر کو یہ قدرت تو حاصل ہو کہ وہ اول الذکر میں حسب الارادہ تغیر پیدا کرے، لیکن دوسرے حواس اور قُوائے میں تصرف کرنے سے وہ عاجز ہے؟ اور جب اسبات کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ ساحر اپنے جادو کے زور سے آنکھوں کے فعل میں اس قدر تصرف کر سکتا ہے کہ وہ ساکن کو متحرک اور متصل کو منفصل اور مردہ کو زندہ یا زندہ کو مردہ دیکھے تو پھر اس سے کیا مانع ہے کہ وہ کسی دوسرے کے صفاتِ نفسانی میں کوئی مطلوبہ تغیر پیدا کرے؟ مثلاً جو اسکے نزدیک محبوب تھا اُس کا مبغوض اور جو مبغوض تھا اُس کو محبوب بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے ساحروں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔

سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ (۷: ۱۱۶)	اُنہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کیا اور اُنکے دلوں میں سخت خوف پیدا کیا اور بہت بڑا جادو کا عمل کیا۔

ایک تو اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنکھوں کے فعل میں تغیر پیدا ہونے کے علاوہ انکے دلوں کی بھی حالت بدل گئی تھی۔ دوسرے یہ کہ یہ تغیر یا تو اشیاء مرئیہ میں پیدا ہوا ہوگا۔ مثلاً ساحروں نے ارواحِ خبیثہ یعنی شیاطین سے اس بارے میں استعانت کی جنھوں نے رسیوں اور لاٹھیوں کو متحرک کر دیا اور ناظرین نے یہ خیال کیا کہ یہ چیزیں بذاتِ خود حرکت کر رہی ہیں۔ جیسے کہ بازیگر غیر مرئی تاروں کے ذریعے کسی چیز کو حرکت میں لاتے ہیں اور ناظرین خیال کرتے ہیں کہ وہ چیز خود بخود حرکت کر رہی ہے۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ دیکھنے والوں کی آنکھوں میں یہ تغیر پیدا ہو گیا ہو چنانچہ اُنھوں نے رسیوں اور لاٹھیوں کو حرکت کرتا ہوا دیکھا لیکن درحقیقت وہ متحرک نہیں تھیں۔ اور اسمیں شک نہیں کہ ساحر

دونوں طرح کا تصرّف کرسکتا ہے۔ کبھی تو خود دیکھنے والے کے جو اس میں تصرف کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسکو چیزیں غیر اصلی حالت میں نظر آتی ہیں۔ اور کبھی وہ ارواح خبیثہ سے استعانت کرکے نفس اشیا میں تغیر پیدا کرتا ہے۔

منکرین تاثیر سحر کا رد

منکرین کا قول ہے کہ ساحرانِ فرعون نے رسیوں اور لاٹھیوں پر ایسا عمل کیا جس سے اُن میں حرکت پیدا ہوتی۔ چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ انھوں نے اِن میں پارہ بھر دیا ہوا تھا جب دھوپ کا اثر ہوا تو وہ حرکت کرنے لگیں۔ لیکن منکرین کا یہ قول باطل ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اُن اشیاء کی حرکت خیال اور چشم بندی کا نتیجہ نہ ہوتا جیسے کہ آیتِ بالا میں اسکی تصریح ہے بلکہ ان کی حرکت حقیقی ہوتی اور اُن کے اس عمل کو سحر کہنا درست نہ ہوتا بلکہ یہ ایک دستکاری ہوتی جو اکثر لوگ عمل میں لا سکتے ہیں۔ اور اُن کے اس عمل کی حقیقت ناظرین سے پوشیدہ نہ رہتی، خصوصاً جبکہ سیکڑوں عقلائے روزگار اُس مجلس میں موجود تھے۔ علاوہ ازیں اگر ساحرانِ فرعون کا کارنامہ اُن کی دستکاری اور عیاری کا نتیجہ ہوتا تو بجائے اسکے کہ اُسکے ابطال کے لئے عصا کا معجزہ ظہور میں لایا جائے بہتر ہوتا کہ لوگوں کو اسکی حقیقت سے آگاہ کیا جاتا اور اُن کا پارہ وارہ نکال کر اُن ڈینگ مارنے والے ساحروں کے ڈھول کا پول کھول دیا جاتا۔ نیز فرعون کو اطراف ملک سے ماہرین فن سحر کو بلانے اور اُنکے ساتھ غیر معمولی انعام و اکرام کا وعدہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اس عمل کو معمولی مداری نہایت آسانی کے ساتھ انجام دے سکتے تھے۔ الغرض یہ ایک ایسا باطل قول ہے جس پر مزید بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔

فصل ہشتم

شر کی چوتھی قسم

استعاذہ من شر حاسد

وَمِن شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ۔ | اور میں حاسد کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جبکہ وہ حسد کرتا ہو

اس آیت کریمہ میں چوتھے شر کا ذکر ہے۔ یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ حاسد کا نفس حسد محسود شخص کے لیے شر و تکلیف کا باعث ہے اور اگر اپنے ہاتھ اور زبان سے محسود کو ضرر پہنچانے کی کوشش نہ بھی کرے تب بھی اُسکا خبث باطن ایک ایسا شر ہے جس سے پناہ مانگنا لازم ہے۔

حسد کا اثر مسلمہ ہے

قرآن کریم میں کوئی لفظ مہمل نہیں اور ہر ایک لفظ کے ذکر کرنے سے مخاطب کے ذہن میں کسی خاص حقیقت کا منقوش کرنا ہوتا ہے۔ اسی طرح آیت مذکورہ میں إِذَا حَسَدَ کا لفظ بڑھانے میں ایک نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ حاسد اُس شخص کو کہتے ہیں جس کی ذات میں حسد موجود ہو لیکن بعض اوقات وہ اپنی اس صفت سے غافل ہوتا ہے مگر جب ہی اُسکے دل میں حسد کا خیال آیا اور اُسکے دل میں آگ کا ایک شعلہ بھڑک اٹھا جس کی چنگاریوں کا محسود تک پہنچنا بہت اغلب ہوتا ہے اسلیئے اگر محسود اللہ تعالے کی حفاظت اور حمایت میں پناہ نہ لے اور اسکی طرف متوجہ ہو کر اذکار اور دعوات ماثورہ میں مشغول نہ ہو تو یقیناً حاسد کی آتش حسد کے شعلے اُسکے جھلسا دینے میں کوتاہی نہیں کرینگے۔ اب تم نے سمجھ لیا ہو گا کہ إِذَا حَسَدَ کا لفظ بڑھانے میں یہی نکتہ ہے کہ اس کا شر اُس وقت متعدی ہوتا ہے جبکہ اُس کے دل میں بالفعل حسد کی آگ بھڑک اُٹھے۔

نظرِ بد کا اثر

ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جبرئیل علیہ السلام کے منتر کے یہ الفاظ تم کو یاد ہوں گے کہ من شر کل نفس او عین حاسد الخ۔ اس حدیث میں حاسد کی آنکھ سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے۔ لیکن یہ ایک معلوم بات ہے کہ حاسد کی آنکھ کے محض دیکھنے سے کچھ اثر نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر وہ کسی چیز کو یا اپنے محسود کو اس نظر سے دیکھے جیسے کہ وہ پہاڑ اور دریا وغیرہ کو دیکھتا ہے اور اُسکے دل میں حسد کا جذبہ بالفعل موجزن نہ ہو تو محسود کو اس کے شر کا کچھ خطرہ نہیں لیکن اگر وہ حسد کی کیفیت سے رنگین ہو کر اپنے محسود پر نظر ڈالے جبکہ اُسکے دل میں غضب اور انتقام بے جا کے خبیث جذبات موجزن ہوں تو کچھ شک نہیں کہ اُسکی یہ نظر نفس حاسد کی قوت اور ضعف کی حالت کے مطابق محسود پر اپنا اثر ڈالے گی۔ اگر اسکے جذبات خبیثہ طاقتور ہوں گے تو یہ ممکن ہے کہ وہ محسود کو اپنی نظر سے ہلاک کر دے یا بیمار بنا دے۔ اور بہت سے لوگ اپنے تجربہ سے اسکی تصدیق کر سکتے ہیں۔ اس نظرِ بد کا اثر نفسِ خبیثہ کے ذریعہ ہوتا ہے جو اسکی سمیت کا اثر ہوتا ہے جیسے کہ سانپ جبکہ اُس میں قوتِ غضبیہ جوش زن ہوتی ہے اور وہ اس حالت میں کسی کو کاٹ لے تو اسکی سمیت کا اثر مہلک ہوتا ہے۔ سانپوں کے بعض اقسام میں یہ کیفیت بہت قوی ہوتی ہے یہاں تک کہ صرف گھورنے سے کسی شخص کو اندھا کر دیتے ہیں اور عورت کا اس سے اسقاطِ حمل ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ ایک حدیث میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لفظ دو رسانپ اور ذو الطفیتین[1] کا یہی اثر بیان فرمایا ہے جبکہ سانپ میں ایسی کیفیت کا پیدا ہونا ممکن ہے جس کے اثر سے ایک انسان اندھا ہو سکتا ہے اور کسی عورت کا حمل ساقط ہو سکتا ہے اسلئے اگر کسی شریر و خبیث نفس میں قوتِ غضبیہ کی آگ اور آتشِ انتقام مشتعل ہو کر جب وہ محسود کی طرف متوجہ ہو تو کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنی زہریلی شعاعوں سے جو اسکی پُر غضب اور پُر حسد آنکھوں سے نکلتی ہیں اپنے محسود کو ہلاک کر ڈالے یا کسی مرض میں

---

[1] ذو الطفیتین وہ سانپ جس کی آنکھوں کے نیچے دو سیاہ نقطے ہوتے ہیں۔

مبتلا کردے یا کسی اور طرح پر اسکو تکلیف پہنچائے ۔ نظر بد کے اثر سے جو شخص بیمار ہوتا ہے بسا اوقات اُس کو حکیم اور ڈاکٹر لاعلاج بتاتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ اسکی بیماری کا تعلق عالم طبیعت سے نہیں بلکہ عالمِ ارواح سے ہے اور اسکی حقیقت قوّتِ روحانی کا اجسام اور طبائع میں اثر کرتا ہے۔ اس کا علم خاص خاص لوگوں تک محدود ہے۔ اور جو لوگ اِس کوچہ سے نابلد ہیں وہ اپنی جہالت کے باعث اِس سے منکر ہیں۔

عالمِ اجسام اور عالمِ ارواح

ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ اجسام بذات خود لکڑی اور پتھر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ اِن سے جو عجیب و غریب افعال صادر ہوتے ہیں اور اُن میں جو حیرت انگیز اثرات پیدا ہوتے ہیں، اُنکے ظہور کا راز قوائے روحانیہ میں مُضمر ہے۔ تمام اجسام درحقیقت روحانی قوتوں کے لیئے بمنزلہ آلات اور اوزار کے ہیں۔ جس صاحب عقل نے عجائباتِ عالم پر نظر غائر ڈالی ہے اور اس نے ارواح اور اجسام کے تعلق پر محققانہ غور کیا ہے وہ جانتا ہے کہ اس عالم اجسام اور عالم شہادت کو چھوڑ کر ایک اور عالم ہے جس کو عالمِ ارواح یا عالمِ غیب کہتے ہیں جس کی قوائے عاملہ نہ صرف نظروں سے بلکہ جملہ حواس کے ادراک سے بالاتر ہیں اور اُس عالم میں جو کچھ بھی تصرفات ہوتے ہیں وہ تمامتر حواسِ خمسہ کے دائرے سے باہر اور عام ظاہر بین نظروں سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ اس عالمِ اجسام میں صرف اُن کے آثار مشاہدہ کیئے جاسکتے ہیں اور اسلیئے اکثر ظاہر پرست اسکے وجود کے قائل نہیں۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

عالمِ ارواح کا مشاہدہ

عالم ارواح کو عالم اجسام پر قیاس مت کرو۔ وہ عالم اِس عالم سے بہت بڑا اور وسیع ہے اور اسکے عجائبات عام عجائبات سے بہت بڑھکر ہیں۔ کیا تمہاری نظر عالم ارواح کے عجائبات کا مشاہدہ کرنے سے قاصر ہے یا تمہیں اسکے وجود میں تامل ہے۔

پہلی مثال

اپنی ہستی پر غور کرو اور دیکھو کہ ایک روح کے چلے جانے سے بدن کی کیا کیفیت ہو جاتی ہے وہی انسان جو علوم و فنون کا ماہر صنعتہائے عجیب غریب کا مظہر، سائنس کے دقائق پر حاوی، فلسفہ کا استاد اور ملکداری اور سیاست کی عقدہ کشائی کرنے والا تھا کس طرح ایک لمحہ میں روح کی مفارقت کر جانے کی وجہ سے ایک تعفن پذیر نعش بن جاتی ہے جس میں حس و حرکت تک باقی نہیں رہتی؟

وَفِىٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ (۵۱ : ۲۱)	تمہارے اپنے نفسوں میں قدرت کی نشانیاں موجود ہیں کیا تم نہیں دیکھتے ہو (اندھے ہو)؟

کیا انسان کی یہ قوت گویائی، اشیاء کو دیکھنے کی عجیب و غریب قوت، سماعت اور دیگر صفات اس کے دلی جذبات از قسم محبت و عداوت، اسکی قوت متفکرہ اور دیگر قوتیں اور احساسات اسی جسم ظاہر کے آثار و مظاہر ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں، موت کے بعد بھی جسم تو بعینہ موجود ہوتا ہے اور اُسکے تمام اعضاء بھی بظاہر اسی طرح صحیح و سالم نظر آتے ہیں لیکن اس وقت وہ چیز اس میں نہیں جس کو روح کہتے ہیں اور جو حواس کے ادراک سے بالاتر ہے۔

دوسری مثال

ایک شخص نہایت قوی ہیکل اور بظاہر خوب صورت بھی ہوتا ہے لیکن اسکو تم پسند نہیں کرتے ہو۔ اور تمہارے دل میں اسکی پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں۔ اسکے مقابل میں ایک دوسرا شخص ہے جو نہایت نحیف اور لاغر اندام ہے چنداں خوب صورت بھی نہیں مگر اسکی تمہارے دل میں عزت ہے۔ اور بعض اوقات تم اُسکو جان سے بھی عزیز تر سمجھتے ہو۔ اس فرق کی فلاسفی پر بھی تم نے کبھی غور کیا؟ سوائے اسکے اسکی اور کوئی وجہ نہیں کہ اول الذکر سے تمکو روحانی منافرت ہے۔ اور مؤخر الذکر نے اپنی روحانی قوت سے تم کو اپنی محبت پر مجبور کر رکھا ہے: ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ۔ (۶ : ۹۶) خلاصہ یہ ہے کہ اسباب اور مسببات اور علت و معلول کا وجود اسی عالم اجسام اور طبائع تک محدود نہیں۔ بعض اسباب خفیہ عالم ارواح میں ایسے ہیں

جن تک تمہاری کوتاہ بیں نظر کی رسائی نہیں۔ البتہ اُن کے آثار و نتائج کو تم اس عالم میں مشاہدہ کر سکتے ہو۔ الغرض ہر ایک اثر یا واقعہ کے لیئے طبعی اسباب ڈھونڈھنے پر اکتفا نہ کرو، بہت سے امور کا سبب اور اُسکی علتِ فاعلہ عالمِ غیب یا عالمِ ارواح میں ہوتی ہے۔

فصل نہم (۹)

عاین اور حاسد میں اشتراک و افتراق

قوتِ مقناطیسی

نظرِ بد لگانے والا اور حاسد من وجہٍ ایک جیسے ہیں، لیکن ایک دوسری وجہ سے دونوں میں فرق ہے۔ اس بات میں وہ دونوں ایک جیسے ہیں کہ ہر ایک کا نفس خاص کیفیت سے رنگین ہو کر اپنی توجہ کو کسی ایک مرکز پر مبذول کرتا ہے اور جس پر یہ توجہ مبذول کی جاتی ہے وہ ہدفِ ایذاو تکلیف بنتا ہے اور بعض اوقات اس کا انجام ہلاکت ہوتا ہے۔

اب فرق سنئے۔ نظر لگانے والے کی آنکھوں میں جو مسموم اثر پایا جاتا ہے وہ صرف اس شخص یا چیز پر اثر کرتا ہے جس کے ساتھ وہ دوچار ہو جائے۔ لیکن حاسد کے لیئے حاضر اور غائب یکساں ہے۔ نظرِ بد لگانے والے کے دل میں بھی اکثر حسد کا جذبہ موجود ہوتا ہے لیکن بعض اوقات اس کا اثر ایسی چیزوں پر بھی ہوتا ہے جن سے اُنکو حسد نہیں ہوتا۔ مثلاً پتھر یا حیوان یا کھیتی وغیرہ۔ نیز بعض اوقات اسکا اثر اپنی جان اور اپنے مال وغیرہ پر بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ نظرِ بد کا اثر اسی شخص یا چیز پر ہوتا ہے جو صاحبِ نظر کو مستحسن معلوم ہو اور پھر وہ اسکو گھور کر دیکھ لے۔ ارشاد ہے:

وَإِن يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ (۶۸: ۵۱)

قریب ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا تم کو اپنی آنکھوں کی مقناطیسی ہر کے ذریعہ سے اپنی جگہ اور اپنے مرکز سے ہٹا دیں اُس حالت میں جبکہ وہ کلام پاک سنتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد نظر بد کے اثر سے آپ کو ایذا پہنچانا ہی چنانچہ روایت ہی کہ بعض ایسے اشخاص جو نظر بد کے لیئے مشہور تھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائے گئے اور اُنھوں نے آپ کو گھور کر کہا کہ ہم نے تو کبھی ایسا آدمی نہیں دیکھا اور نہ کسی کا ایسا چبھتا ہوا کلام سُنا"

یہ اس قسم کے اشخاص تھے کہ جب کسی فربہ اونٹنی پر اُن کی نظر پڑ جاتی تھی تو اُن کو اپنی نظر بد کے اثر پر اس قدر اعتماد تھا کہ وہ اپنے غلام سے کہدیتے تھے کہ یہ ٹوکری لیلو اور فلاں شخص کی اونٹنی کا گوشت لے آؤ، اور ایسا ہی ہوتا تھا کہ اُن کے گھورنے پر وہ اونٹنی زمین پر گر کر لوٹنے لگتی اور اُس کا مالک اُسکو مجبوراً ذبح کرتا۔

کلبی کہتا ہی کہ عرب میں ایک شخص تھا جو (اپنی نظر بد کے اثر کو تیز کرنے کیلیئے) ایک دو دن کھانا چھوڑ دیتا تھا، اور پھر جب کوئی اونٹ یا بھیڑ بکری اُسکے پاس سے گزرتی اور وہ کہدیتا کہ میں نے تو ایسا اونٹ وغیرہ نہیں دیکھا تو وہ فوراً گر پڑتا۔ اُسی شخص سے کافروں نے درخواست کی کہ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نظر بد کا نشانہ بنائے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے رسولؐ کو محفوظ و مصئون رکھا، اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ لیکن ایک دوسری جماعت مفسرین کی یہ کہتی ہی کہ اس سے مراد نظر بد کا اثر پہنچانا نہیں بلکہ اسکے معنی یہ ہیں کہ کافر لوگ جب تمکو قرآن پڑھتا ہوا سنتے ہیں تو تمہاری طرف عداوت کی نظروں سے دیکھنے لگتے ہیں اور اُن کا یہ دیکھنا اس شدت سے ہوتا ہی کہ قریب ہی تم کو گرادیں۔ زجاج نے یہی قول اختیار کیا ہی اور یہ محاورہ کلام عرب میں موجود ہی کہ فلاں شخص نے اسکو ایسی تیز نظر سے دیکھا کہ قریب تھا وہ گر جائے۔ زجاج کہتا ہی اس کا قرینہ یہ ہی کہ اسکو سماع قرآن کے ساتھ ذکر کیا گیا ہی یعنی یہ لوگ قرآن کریم کا سُننا سخت ناپسند کرتے ہیں اور اس لیئے جب اُسکی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ تم کو بسبب بغض اور عداوت کے سخت تیز نظروں سے دیکھنے لگ جاتے ہیں"

مہلک نظر کے اسباب و اثرات

میں کہتا ہوں (یعنی علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) کہ جو نظر مہلک اثر پیدا کرتی ہے اسکا سبب بعض اوقات حسد اور عداوت ہوتا ہے۔ اور جیسے کہ حاسد کے نفسِ خبیث کا محسود پر موذی اور مہلک اثر پڑتا ہے اسی طرح اُس نظر بد لگانے والے کا بھی پڑتا ہے۔ اور اس کا اثر اس وجہ سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے کہ سامنے ہونے کی حالت میں قوتِ نفسانی اپنا عمل زائد کرتی ہے۔ کیوں کہ دشمن جب نظروں سے غائب ہو تو ممکن ہے کہ انسان اسکی عداوت بھول جائے۔ لیکن اُسکو دیکھکر پوشیدہ جذبات تموّج پر آجاتے ہیں اور نفس بالکلیہ محسود کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے۔ اور اسلئے اس حالت میں نظر کا اثر قوی ہوتا ہے۔ یہانتک کہ جسپر یہ نظر ڈالنا مقصود ہوتا ہے بعض اوقات وہ گرجاتا ہے بعض اوقات اُسکو بخار ہوجاتا ہے۔ اور کبھی وہ غش کھاجاتا ہے۔

اس قسم کے واقعات اکثر مشاہدہ میں آتے ہیں اور بہت لوگوں نے ایسا ہوتے دیکھا ہے

بعض اوقات اس نظرِ بد کا سبب صرف "پسندیدگی" ہوتا ہے اور عام طور پر اسی کو نظر بد کہا جاتا ہے کیوں کہ کسی چیز کو جب بنظر استحسان دیکھا جاتا ہے تو دیکھنے والے کے نفس میں ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے اور چونکہ بعض خبیث طبائع میں ایک زہریلا مادہ موجود ہوتا ہے جو اس کیفیت کے ظہور میں آتے ہی اُس کا بھی ظہور ہوتا ہے اسلیے اس کا نتیجہ اُس شخص یا چیز کی ہلاکت یا نقصان ہوتا ہے۔ جسپر وہ نظر ڈالی گئی ہے۔

نظرِ بد ایک حقیقت ہے!

عبد الرزاق بن معمر نے بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ "العین حقٌّ" = نظر بد کا لگنا ایک حقیقت ہے۔ یعنی محض توہم پرستی نہیں۔

عُبید بن رفاعہ سے روایت ہے کہ اسماء بنت عُمیس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جعفر کی اولاد اکثر نظر بد کا شکار ہوجاتی ہے تو کیا ہم ان کیلیے کوئی منتر وغیرہ کا عمل کریں؟ آپ نے اِس بات کا جواب اثبات میں دیا اور فرمایا: اگر کوئی چیز تقدیر سے آگے بڑھ سکتی تو وہ

الغرض کافر لوگوں کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد اور عداوت تھی اور تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ حاسد کی نظر قوی تر ہوتی ہے، اسلیئے جن مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت سے مراد نظر بد کا اثر ڈالنا ہے اس کا مقصد یہی ہے کہ وہ حسد اور عداوت کی نظروں سے آپ کو دیکھتے تھے (جس کا بُرا اثر ہر طرح سے مسلّم ہے)

لیکن جن مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت سے مراد نظر بد کا اثر نہیں وہ اس لحاظ سے دُرست کہتے ہیں کہ کافروں کا دیکھنا "پسند بدگی" کا دیکھنا نہیں تھا جسکو عام اصطلاح میں نظر بد کہا جاتا ہے۔ ترمذی میں بروایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ منقول ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسان کی نظر بد سے پناہ مانگا کرتے تھے" اور اگر نظر بد میں کوئی شر نہ ہوتا تو آپ اُس سے کیوں پناہ مانگتے۔ نیز ترمذی میں حابس بن حیہ تمیمی کی ایک روایت ہے کہ میرے باپ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا "کہ نظر بد کا لگنا ایک حقیقت ہے"

نظر بد اور تقدیر

ایک دوسری حدیث ترمذی میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر کوئی چیز تقدیر سے آگے بڑھ سکتی تو وہ نظر بد ہوتی"۔ اس کے بعد ترمذی نے لکھا ہے کہ اس بارے میں ایک حدیث عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

عاین بھی حاسد ہے

نظر بد لگانے والا بھی ایک قسم کا حاسد ہے لیکن عام حاسدوں سے وہ زیادہ مضر ہے اور غالباً اسی نکتہ کے لیئے سورہ فلق میں حاسد کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے کیوں کہ عام کے ضمن میں خاص داخل ہوتا ہے یعنی ہر ایک نظر بد لگانے والا حاسد ہے لیکن بالعکس نہیں۔ اس لیئے جب حاسد کے شر سے پناہ مانگ لی گئی تو نظر بد سے بھی پناہ مانگ لی گئی۔ حسد کی حقیقت اللہ تعالی کی کسی دوسرے کی نعمت کے زوال کی خواہش کرنا ہے۔ حاسد خدا کی نعمتوں کا دشمن ہے۔ اور شر اسکی طبیعت میں مرکوز ہوتا ہے جو اُسکے خبیث فطرت کا نتیجہ ہے۔

جادو اور حسد

برخلاف حسد کے سحر اور جادو کا شر فطری نہیں بلکہ اکتسابی ہے اور جیسے کہ پہلے ذکر ہوا اس میں شیاطین کی ارواح خبیثہ سے استعانت کی جاتی ہے۔

موضوع سورتین

اس سورۃ شریفہ میں ساحر اور حاسد کے شر کا ذکر کر کے شر کی دونوں قسموں فطری اور اکتسابی کی تصریح کر دی گئی ہے۔ سحر اور حسد کا شر شیاطین الانس اور شیاطین الجن دونوں سے متصور ہے لیکن شر کی ایک اور قسم ہے جو صرف موخر الذکر سے صادر ہوتی ہے یعنی وسوسہ جس کے ذکر کیلئے دوسری سورۃ کو مخصوص فرمایا ہے۔

ساحر اور حاسد کا عمل

ساحر اور حاسد خارج سے اپنا عمل کرتا اور ایذا پہنچاتا ہے۔ مسحور یا محسود کے عمل کو اس میں دخل نہیں۔ لیکن وسوسہ کا عمل اُس وقت مضر ثابت ہوتا ہے جبکہ انسان کا قلب اسکی طرف مائل ہو اور اسکو قبول کرے۔ اور اسلئے وسوسہ کے نتیجہ کے طور پر اگر انسان کسی عمل بد کا ارتکاب کر بیٹھے یا اُسکے ارتکاب کا عزم مصمم کر لے تو وہ مواخذہ کے قابل ہو گیونکہ یہ اُسکے اپنے ارادہ اور سعی و اکتساب کی عقوبت ہوگی۔ برخلاف اسکے ساحر اور حاسد کے شر کی عقوبت کے وہ خود مستوجب ہوں گے محسود اور مسحور کا اس سے کچھ واسطہ نہیں۔ لہذا ساحر اور حاسد کا ایک سورۃ میں ذکر کیا گیا۔ اور شیطان کے وسوسہ کا دوسری میں۔ بعض اوقات حسد اور سحر کی دونوں صفتیں باہم ایک دوسری کے ساتھ مناسبت رکھنے کی وجہ سے ایک ہی ذات میں جمع ہو جاتی ہیں۔ مثلاً یہود کی قوم ساحر بھی تھی اور حاسد بھی۔ اُن کے سحر کا ذکر ان آیتوں میں ہے:-

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ	اُن لوگوں نے اُس علم کی پیروی کی جو (حضرت) سلیمان (علیہ السلام) کی سلطنت میں شیطان پڑھا کرتے تھے اور (حضرت) سلیمان نے کفر نہیں کیا بلکہ ان شیطانوں نے کفر کیا تھا جو لوگوں کو جادو اور وہ علم سکھلاتے تھے جو

بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ؕ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (۲ : ۱۰۲)

بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اترا تھا اور وہ (دونوں فرشتے) کسی کو اس وقت تک وہ علم نہ سکھاتے تھے جب تک کہ وہ یہ نہ کہتے تھے کہ ہم تو (تمہارے لیے) ایک آزمائش ہیں اسلئے تم ہم سے اُس علم کو سیکھ کر کفر مت کرو۔ پس وہ لوگ (باوجود ان فرشتوں کی اس تنبیہ کے) انسے ایسا علم سیکھتے تھے جس سے وہ مرد اور اسکی عورت کے درمیان جدائی ڈالتے ہیں (اس علم سے) وہ لوگ سوائے اللہ تعالیٰ کے حکم کے کسی کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ بلکہ (انسے) ایسا علم سیکھتے ہیں جس سے انکو خود نقصان پہنچتا ہے اور انکو (اس علم سے) کچھ نفع نہیں پہنچتا اور وہ لوگ (اس بات کو بھی) جان چکے ہیں کہ جو شخص اس علم کا خریدار ہوا (علم سیکھا) اسکے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں رہتا البتہ اگر ان لوگوں کو سمجھ ہوتی تو جان لیتے کہ وہ چیز (علم) کا سیکھنا بہت ہی برا ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپکو بیچ ڈالا ہے۔

اور ان سب کے حسد کے ذکر سے تو تقریباً قرآن کریم بھرا پڑا ہے جیسے:

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ (۴ : ۵۴)

کیا وہ لوگوں کے ساتھ اسلئے حسد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انکو نعمتیں دیں۔

وغیرہ وغیرہ۔ اور اگرچہ ساحر کے ساتھ بھی شیطان ہوتا ہے لیکن حاسد خود شیطان کے مشابہ ہوتا ہے کیونکہ شیطان کو فساد سے محبت ہے۔ اور وہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا زوال چاہتا ہے۔ اور حاسد بھی انہیں اوصاف کے ساتھ موصوف ہے۔ سب سے پہلے ابلیس علیہ اللعنۃ نے حضرت آدم علیہ السلام کے شرف اور فضیلت پر حسد کیا تھا جس کا نتیجہ انکار سجود اور ملعونیت ابدی کی شکل میں ظاہر ہوا۔

قوی تر جادو

سحر کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ساحر اللہ اور رسول کی مخالفت میں جتنا زیادہ سرگرم ہوتا ہے وہ اپنے فن میں زیادہ ماہر ہوتا ہے اور اسلئے بت پرستوں کا جادو اہل کتاب کے جادو سے اور یہودیوں کا جادو نام نہاد مسلمانوں کے جادو سے قوی تر ہے۔ مؤطا امام مالک رضی اللہ عنہ میں کعب رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے کہ مجھکو توریت کے چند ایک کلمات یاد ہیں (جن کی برکت سے میں جادو کے اثرات سے محفوظ رہتا ہوں) ورنہ بصورت دیگر مجھکو یہودی

لوگ گدھا بنا دیتے۔ وہ کلمات یہ ہیں: اعوذ بوجہ اللہ العظیم الذی لیس شئ اعظم منہ وبکلمات اللہ التامات التی لا یجاوزھن بر ولا فاجر وباسماء اللہ الحسنیٰ ما علمت منہا وما لم اعلم من شر ما خلق وذرأ وبرأ "میں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں جس سے بڑھکر کوئی نہیں اور اللہ تعالیٰ کے کامل کلام کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں جس سے کوئی نیک یا برا تجاوز نہیں کرسکتا، اور میں اللہ تعالیٰ کے بہترین اسمائے پاک کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں خواہ وہ مجھکو معلوم ہیں یا میرے علم سے باہر ہیں، ہر ایک ایسی چیز کے شر سے جس کو اس نے پیدا کیا اور پھیلایا۔"

فصل دہم

استعاذہ من شر حاسد اذا حسد

معانی

اللہ تعالیٰ کا یہ قول "وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ" جن اور انسان دونوں کو شامل ہے شیطان اور اس کی جماعت مومنوں کے ساتھ اس فضل و انعام کی وجہ سے جو انکے ساتھ کیا گیا ہے حسد کرتے ہیں۔ جیسے کہ ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا، اور وہ اسکی اولاد کا بھی اسی طرح دشمن ہے۔

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا (۳۵: ۶)	بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے اس لیئے تم بھی اس کو اپنا دشمن قرار دو۔

لیکن شیاطین الجن کا کام زیادہ تر وسوسہ ڈالنا ہے اور شیاطین الانس کا کام حسد کرنا ہے اگرچہ درحقیقت دونوں قسم کے شیطانوں میں دونوں اوصاف فی الجملہ پائے جاتے ہیں، اس لیئے مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ کا لفظ دونوں کے شر سے پناہ مانگنے پر مشتمل ہے۔

سورۂ فلق کا خلاصہ

یہ سورۃ تمام عالم کے شرور سے پناہ مانگنے پر مشتمل ہے۔ اور وہ چار استعاذہ کے کلمات اپنے اندر رکھتی ہے۔ پہلے میں مخلوقات کے عام شر سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے، دوسرے میں شب تاریک کے شر سے پناہ طلب کی گئی ہے۔ تیسرے اور چوتھے میں ساحر اور حاسد کے شر سے استعاذہ کیا گیا ہے۔ اِن دونوں کا شر نفسِ خبیثہ کی شرارت کا نتیجہ ہے جن میں سے اول الذکر یعنی ساحر شیطان سے مدد کا خواہاں اور اسکی عبادت میں مشغول رہتا ہے۔

ساحر اور شیطان

عموماً جادو کا عمل شیطان کی عبادت کرنے اور اس کا تقرب حاصل کیے بغیر موثر نہیں ہوتا مثلاً یا تو وہ شیطان کے نام پر ذبح کرتا ہے یا اس ذبح سے مقصود اس کا تقرب ہوتا ہے؛ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ (۲: ۱۷۳) میں اسی کی حرمت بیان کی گئی ہے۔ اسی طرح اور بھی اس سے اعمال شرکیہ سرزد ہوتے ہیں جن کو اگرچہ وہ خود دوسرے ہی ناموں سے موسوم کرے لیکن درحقیقت وہ شیطان کی پرستش اور اُسکی عبادت ہوتی ہے۔ شرک اور کفر اسمائے مخفیہ نہیں بلکہ اُن کا اطلاق ایک حقیقت پر ہوتا ہے جہاں بھی وہ پائی جائے۔ اس کی توضیح ایک مثال سے ہو سکتی ہے:

ایک شخص مخلوق کے لیے سجدہ کرتا ہے لیکن اسکو زمین بوس وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا یہ سجدہ عبادت کے لیے نہیں بلکہ تعظیم کے لیے ہے۔ میرا سجدہ سجدۂ عبادت نہیں بلکہ سجدۂ تحیت ہے تو اُسکے اس کہنے سے اُسکی حقیقت میں تغیر واقع نہیں ہوتا، اور بلحاظِ حقیقت کے وہ سجدہ عبادت ہی کہلائیگا، اور اُس کا مسجود اُس کا معبود ہوگا، خواہ اُس کا فاعل کتنا ہی اس سے بیزاری کا اظہار کرے[۱]۔

---

[۱] مثلاً شراب محرم کی حقیقت یہ ہے کہ کوئی پینے کی چیز جو سکر پیدا کرے۔ اب اگر کوئی اسکو نبیذ یا مثلث وغیرہ کے ناموں سے پکارے تو اس سے اسکی ماہیت میں فرق نہیں آتا اور نہ ہی مسلمان کے لیے اس کا پینا حلال ہوگا اسی طرح حلالہ کا نکاح چونکہ دراصل نکاح نہیں زنا ہے اسلیے نکاح کے ساتھ موسوم کرنے سے اسکی حقیقت نہیں بدل سکتی ۱۲ مترجم

شیطان کی عبادت

اسی طرح ایک شخص شیطان کو خوش کرنیکے لیئے ذبح کرتا ہی اُسکو پکارتا اور اسی سے پناہ مانگتا ہی تو شیطان کو اُس نے معبود قرار دیا اگرچہ وہ خود اپنے اس فعل کو عبادت سے موسوم نہ کرے بلکہ اسکو استخدام وغیرہ کے نام سے تعبیر کرے[1] - قال اللہ تعالیٰ:

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ - (۳۶: ۶۰، ۶۱)

کیا میں نے تمہاری طرف اپنا پیغام نہیں بھیجا کہ اے آدم کے بیٹے! شیطان کی عبادت مت کرو بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہی اور تم کو چاہیے کہ میری ہی عبادت کرو۔

اس آیت کریمہ میں شیطان کے نقش قدم پر چلنے کو عبادت سے تعبیر کیا ہی (حالانکہ کوئی بھی اپنے مونہہ سے نہیں کہتا کہ میں شیطان کی عبادت کرتا ہوں) دوسری جگہ کلام پاک میں ارشاد ہوا ہے:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ (۳۴: ۴۱)

اُس دن کو یاد کرو جبکہ ہم ان سب کو زندہ کرکے جمع کرینگے اسکے بعد ملائکہ سے مخاطب ہونگے کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت میں مشغول رہتے تھے؟ ملائکہ اسکا جواب عرض کرینگے کہ تو پاک اور بے عیب ہے! تو ہمارا کارساز ہی وہ نہیں بلکہ یہ لوگ تو شیطانوں کی عبادت کرتے تھے۔

باوجودیکہ یہ لوگ عبادتِ ملائکہ کے مدعی تھے لیکن پھر بھی انکو شیطان کا عابد قرار دیا گیا۔

عبادت لغیر اللہ

ان دونوں آیتوں سے نہایت واضح طور پر معلوم ہوتا ہی کہ شرک کفر اور عبادت غیر اللہ بھی دوسرے با معنی اسماء کی طرح ایک خاص مفہوم اور حقیقت رکھتے ہیں۔ جہاں کہیں بھی وہ مفہوم اور حقیقت پائی جائے وہیں ان الفاظ کا اطلاق ہوگا۔ چاہے اسکا ارتکاب کرنے والا اپنے اس

---

[1] جیسے کہ نام نہاد مسلمانوں میں عامل و کاہن اس قسم کے حرکات کو استخدام کہتے ہیں۔ یہ اُسی کی طرف اشارہ ہے ۱۲ مترجم

فعل کو خالص توحید اور ایمان ہی سے تعبیر کرتے[۱]۔ الغرض یہ تو ساحر کا حال ہے جو شیطان سے استعانت کرتا اور اسکی عبادت میں مشغول رہتا ہے۔ لیکن اسکے دوسرے بھائی حاسد کی شیطان خود مدد کرتا ہے کیوں کہ وہ اُس کا سچا نائب اور خلیفہ ہے۔ دونوں کو یہ گوارا نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی نعمتوں سے بہرہ ور فرمائے بلکہ وہ ہمیشہ دوسروں اُنکے زوال کے متمنی رہتے ہیں۔

فصل یازدہم

حاسد کے شر پر اِذَا حَسَدَ کی قید

ایک نکتہ

یہ بھی قابل غور ہے کہ حاسد کے شر کو اِذَا حَسَدَ (جبکہ وہ حسد کرے) کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات ایک شخص کے دل میں حسد موجود ہوتا ہے لیکن وہ اسکو دبائے رکھتا ہے اور اُسکی زبان سے یا ہاتھ سے محسود کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچتا ہے بلکہ وہ اپنے بھائی مسلمان کے ساتھ وہی سلوک کرتا ہے جو ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے ساتھ کرنا چاہیئے۔ اور جس کو اللہ تعالےٰ پسند فرماتا ہے۔ اس قسم کا حسد مُضر نہیں اور عموماً اس سے آدمی خالی بھی نہیں رہتا، مگر جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

مومن حاسد

حسن بصری رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا مومن حاسد ہوسکتا ہے؟ آپنے جواب دیا کیا تم نے

---

[۱] الغرض کسی کی اپنی تعبیر کا کچھ بھی اعتبار نہیں ہمیشہ حقیقت کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ یہ ایک قابل قدر تحقیق ہے اور اسکو یاد رکھنا لازم ہے کیوں کہ اس تحقیق کے مدنظر نہ رکھنے سے بڑی بڑی غلطیاں واقع ہوتی ہیں۔ اکثر مدعیانِ علم و دانش اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہمارے زمانہ کے مسلمان چاہے اولیائے کرام کے حق میں کتنا ہی غلو رکھتے ہوں لیکن وہ اُنکو اپنا معبود اور خدا کا شریک نہیں کہتے۔ حالانکہ یہ ایک سادہ حقیقت ہے کہ جب وہ ان کو اُنہیں صفات کا مظہر اعتقاد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کیلئے مخصوص ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ انکو مشرک اور عابد لغیر اللہ نہ خیال کیا جائے۔ فتامل۔ مترجم

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا قصہ بھلا دیا ہے؟ الغرض مومن کے دل میں حسد کا پیدا ہونا ممکن ہے لیکن وہ اپنے اُس جذبہ کی اتباع نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو مقدم سمجھتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے خوف کیا کرتا ہے اور جس بات کو وہ پسند کرتا ہے اُسکو مبغوض سمجھتا ہے اور اسلیئے وہ کسی سے زوالِ نعمت کے خیال کو دل میں جاگزیں ہونے نہیں دیتا بلکہ اسکو ہٹانے میں مشغول رہتا ہے اور محسود کے لیئے زیادتی خیر اور دوام نعمت کی دعا کرتا رہتا ہے۔ برخلاف اسکے جب حسد کا اثر انسان کے اعضاء اور جوارح میں ظاہر ہو تو وہ حسد مذموم ہے جس کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔

حسد کے مراتب

حسد کے تین مراتب ہیں (۱) یہ کہ وہ کسی دوسرے سے کسی نعمت کا زوال چاہتا ہے (۲) کوئی شخص جہالت یا تنگدستی یا کمزوری یا پریشانی قلب وغیرہ میں مبتلا ہے۔ اور وہ اس شخص کے حق میں یہ نہیں چاہتا کہ اُسکی یہ حالت تبدیل ہو اور اللہ تعالیٰ اُسپر فضل فرما کر اُن مصائب سے اسکو نجات دے اور اسکو اپنی رحمت اور احسان کا مورد فرمائے۔

اِن دونوں مراتب میں فرق یہ ہے کہ پہلے میں موجود اور متحقق نعمت اور دوسرے میں متوقع نعمت پر حسد کیا جاتا ہے لیکن دونوں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو مبغوض جاننے والے ہیں اور اُسکے بندوں کے دشمن اور دونوں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت مبغوض ہیں۔ لوگ بھی انکو اپنا دشمن خیال کرتے ہیں اور اسلیئے وہ اپنی مرضی سے کسی حاسد کو اپنا سردار نہیں بننے دیتے اور نہ کوئی ایسے شخص کی غمخواری اور ہمدردی کرتا ہے۔ لوگ اُسی شخص کا سردار ہونا پسند کرتے ہیں جو ان کے ساتھ احسان کرے اور ہمدردی سے پیش آئے۔ حاسد کی حکومت اور سیادت کو وہ اپنے حق میں ایک بلا اور مصیبت خیال کرتے ہیں۔ الغرض حاسد لوگوں کو مبغوض سمجھتا ہے اور وہ اُسکو مبغوض سمجھتے ہیں۔ (۳) حسد کی تیسری قسم غبطہ ہے۔ اسمیں دوسرے سے زوال نعمت کی خواہش نہیں کی جاتی بلکہ ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ جو کمال اور نعمت دوسرے کو حاصل ہے وہ مجکو بھی

حاصل ہو جائے۔ غبطہ کو مجازاً حسد کہا جاتا ہے ورنہ وہ کوئی معیوب وصف نہیں بلکہ ایک خوب اور محمود صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کا حال بیان کرکے فرمایا ہے:

وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ۝ (۸۳ : ۲۶)

اور ایسے ہی اعلیٰ مقام کے حاصل کرنے کیلئے رشک کرنے والوں کو رشک کرنا چاہیئے

صحیحین میں ایک حدیث ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "صرف دو ہی آدمی ہیں جن کے حال پر حسد کرنا (رشک کرنا) جائز بلکہ مستحسن ہے۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور پھر اسکو راہِ حق میں خرچ کرنے کی توفیق بخشی ہو۔ دوسرا وہ شخص جسکو اللہ تعالیٰ نے علم نافع عطا فرمایا ہے جس سے وہ خود بھی مستفیض ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی اُسکی تعلیم دیتا ہے اِس قسم کے حسد یعنی غبطہ کا محرک ہمت عالیہ ہوتی ہے جو اُسکے اعمالِ خیر کے کرنے پر اُبھارتی ہے اور اہلِ خیر و صلاح کے ساتھ مشابہت حاصل کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ کسی دوسرے پر جو انعام اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ اُس سے زائل ہو بلکہ اُس کے حق میں اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمتیں برقرار رہنے کی خواہش رکھنے کے علاوہ یہ چاہتا ہے کہ وہ خود بھی انعامِ الٰہی تعالیٰ شانہ کا مورد ہو۔

حسد کی یہ قسم آیت کریمہ وَمِن شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ کے مفہوم میں داخل نہیں اِس آیت کریمہ میں حسد کی پہلی دو قسموں کے شر سے پناہ مانگنا مقصود ہے اور محسود کو ایک بہترین علاج کی تعلیم دی گئی ہے کیوں کہ اس کا ماحصل اللہ تعالیٰ کی طرف التجا کرنا اور اُسی کے فضل و عنایت پر بھروسہ کرنا ہے۔ اور حاسد کی شر انگیزیوں کی کچھ بھی پروا نہ کرکے مولائے نعم کی طرف رجوع کرنے کی اسمیں تلقین ہے۔ گویا کہ محسود یہ کہتا ہے کہ بارِ خدایا! تو نے مجھکو اپنی نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے، میں تجھ سے اُس شخص کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو مجھ سے اِن نعمتوں کو چھیننا چاہتا ہے۔

جائے پناہ

یہ ظاہر ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو اپنا جائے پناہ قرار دے اور اُسی پر بھروسہ کرے اللہ تعالیٰ اُسکو تمام پریشانیوں سے نجات دیکر اسکو بے فکر کر دیتا ہے:

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ (۶۵: ۳)	جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اُس کے لیئے اللہ تعالیٰ کافی ہے لہٰذا اسکو کسی دوسرے کے در پر ملتجی ہونے کی مطلق ضرورت نہیں۔
اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝ (۸: ۴۰)	وہی اللہ تعالیٰ تمہارا آقا کارساز ہے اور وہ بہت ہی اچھا آقا اور نہایت ہی اچھا مددگار ہے۔

تم اُس کی نصرت کو دور نہ سمجھو، اُس کے نزدیک مشکل سے مشکل کام کرنا آسان ترین بات ہے۔

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (۱۲: ۲۱)	اللہ تعالیٰ جس کام کو کرنا چاہتا ہے اُسپر غالب اور قادر ہے لیکن اکثر لوگ اِس حقیقت واقعیہ سے ناآشنا ہیں۔

ہر ایک مسلمان کو صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہیئے:

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (۳: ۱۵۹)	تمام مومنوں کو صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔

اور فقط اُسی سے ڈرنا چاہیئے:

وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ (۳۳: ۳۹)	اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی یہ صفت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور اُسکے بغیر کسی سے نہیں ڈرتے

جو شخص اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی اور کا بھی خوف دل میں رکھتا ہے اُس کے توکل علی اللہ میں اُتنا ہی نقص ہوگا۔

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ	بیشک شیطان کا اِن لوگوں پر کچھ بھی تسلط نہیں جو ایمان لائے اور وہ صرف اپنے مالک خدا ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ بیشک وہ اُنہیں لوگوں پر غلبہ پاتا ہے جو

(۱۶ : ۹۹ ، ۱۰۰)

اُسی کے دوست بنے رہتے ہیں اور جو شیطان کی متابعت کرکے مشرک ہوتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَاۤءَهٗ ۖ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

(۳ : ۱۷۴)

بیشک یہ تمہارا شیطان ہی تو ہے جو اپنے دوستوں کے دل میں خوف ڈالتا ہے اسلیے تم ان سے مت ڈرو اور اگر تم ایمان لائے ہوئے ہو تو مجھ ہی سے ڈرو۔

فصل دوازدہم

حاسد کے شر کا دفعیہ

حاسد کا شر دس اسباب کے ذریعہ دفع کیا جاسکتا ہے:۔

پہلا سبب: استعاذہ باللہ

اللہ تعالیٰ کے ساتھ پناہ مانگنا اور اُس کی طرف ملتجی ہونا۔ اسی کی سورۃ فلق میں تصریح ہے۔ قرآن کریم میں ہے:۔

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۚ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

(۷ : ۲۰۰)

اگر تم کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پہنچے تو تم کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ پناہ مانگو بیشک وہ ہی سننے والا جاننے والا ہے۔

اس سننے سے مراد دعا کا قبول کرنا ہے جیسے کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ صلوات اللہ الجلیل نے بڑھاپے میں بیٹا عطا کیے جانے کا ذکر کرکے کہا تھا:

اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَاۤءِ (۱۴ : ۳۹)

بیشک میرا رب دعا کا قبول کرنے والا ہے۔

سمیع کے ساتھ بعض جگہ میں علیم اور بعض جگہ البصیر مقام کی مناسبت کی وجہ سے

ذکر کیا گیا ہے۔ جہاں کسی ایسے دشمن کا ذکر ہے جس کو ہم دیکھ نہیں سکتے۔ اور وہ پوشیدہ طور پر شرارتیں کرتا ہے، جیسے شیطان، وہاں پر علیمؐ کا لفظ استعمال کرنا مناسب تھا، کیوں کہ علیم غیر مرئی چیزوں پر بھی محیط ہوتا ہے۔ اور جہاں کسی ایسے دشمن کا ذکر ہے جس کو آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے اور جس کی شرارتیں نظر سے پوشیدہ نہیں رہتیں، وہاں پر بصیرؐ کا لفظ زیادہ موزوں ہے جس کے معنی ہیں دیکھنے والا۔ چنانچہ اس آیت میں ہے کہ:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ (۴۰: ۵۶)	بیشک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے بارے میں بغیر نازل شدہ دلیل کے جھگڑتے رہتے ہیں اُنکے سینوں میں تکبر بھرا ہوا ہے جہاں تک ان کی رسائی نہیں اس لیئے تم کو چاہیئے کہ ان کے شر سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ پناہ مانگو بیشک وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

اس سے تم کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ قرآن کریم میں اسمائے حسنے کا استعمال نہایت موزوں اور مناسب مقام پر ہوا ہے (یہ نہیں کہ کہیں ایک اسم رکھ دیا کہیں دوسرا)

دوسرا سبب: خشیت الٰہی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل

اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اس کے امر اور نہی کو بجا لانا، کیوں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا اور تقوٰے اختیار کرتا ہے خود اللہ تعالیٰ اس کا نگہبان اور متولی ہوتا ہے۔ وہ اسکو کسی دوسرے کے حوالے نہیں کرتا

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُھُمْ شَـيْـــًٔـا (۳: ۱۲۰)	اگر تم صبر و استقلال اور تقوٰے اختیار کرو تو ان کافروں کی سازشیں تم کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکیں گی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے "اللہ تعالیٰ کا لحاظ رکھو گے تو تم اس کو اپنے سامنے پاؤ گے۔ اور اللہ تعالیٰ کا لحاظ رکھو گے تو وہ تمہارا نگہبان ہو گا۔"

اور تم جانتے ہو کہ جسکو اللہ رکھے اُسکو کون چکھے۔

تیسرا سبب۔ الصّبر علیٰ عدوّہ

اپنے دشمن کے مقابلے میں صبر کرنا اور اُسکی ایذا پہنچانے اور تکلیف دینے کا خیال تک دل میں نہ لانا۔ کیوں کہ صبر اور توکل علی اللہ کا ثمرہ ہمیشہ دشمن پر فتح اور کامیابی ہوتی ہے۔ بیشک بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی نُصرت (انسان کے اپنے تخمینہ کے بموجب) کسیقدر دیر سے پہنچتی ہے۔ لیکن تم کو اس سے گھبرانا نہیں چاہیئے اور دشمن کے بغی اور عدوان کو دیکھکر بے صبر نہیں ہونا چاہیئے۔ مظلوم اپنی کوتاہ نظری کے باعث صرف بغی اور عدوان کو دیکھ سکتا ہے لیکن اُسکا مآل اور انجام ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نُصرت اور اُسکی (مظلوم کی) کامیابی پر ہوتا ہے۔

وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۔

(۲۲ : ۶۰)

جس شخص پر ظلم کیا گیا اگر وہ اُسی مقدار میں (انصاف کے حدود سے تجاوز نہ کرکے) اُس کا انتقام لے اور اسپر پھر دوبارہ تعدی کیجائے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اسکی مدد کرے گا اور اُسکو دشمن پر فتحمند ہی دے گا۔

کیا اللہ تعالیٰ کے اس مؤکد وعدے میں تمہیں شک ہے؟ یہ آیت کریمہ اُسکے حق میں ہے جس نے ایک مرتبہ بقدر اپنے حق کے انتقام لیا ہو اور پھر اُسپر تعدی کی گئی لیکن جس نے ابتدا میں صبر کیا اور اپنے آپ کو انتقام سے باز رکھا کیا اسکے حق میں بطریق اولیٰ نصرت کا یہ وعدہ نہیں ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ وہ ہمیشہ ظالم کو سزا دیتا ہے یہانتک کہ کہا گیا ہے کہ اگر فی المثل ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ پر ظلم کرے تو خدا کا قانون اُسکو ہموار کیئے بغیر نہیں چھوڑے گا۔

چوتھا سبب: توکل علی اللہ

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا۔ کیوں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتا ہے وہ اسکو

تمام نہمات سے بے فکر کر دیتا ہے۔ اگر مخلوق کی طرف سے تم کو کوئی ایسی تکلیف پہنچے جسکو تم اپنی قوت اور اپنی طاقت سے رفع نہیں کر سکتے تو ایسی حالتوں میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا اور اُسی کی نصرت کا امیدوار رہنا کامیابی اور فتحمندی کا قوی ترین سبب ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ:۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ (۶۵ : ۱۳)

جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتا ہے وہ اُس کے لیے کافی ہے۔

اس لیے جس کی خبرگیری کا خود اللہ تعالیٰ ضامن ہو بھلا وہ بھی کبھی ناکامیاب ہو سکتا ہے؟ ارشاد ہوتا ہے:۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ (۱۱۱ : ۳)

تمہارے دشمن تم کو ہرگز ضرر نہیں پہنچا سکیں گے البتہ تم کو کسیقدر تکلیف پہنچے گی۔

آخری فقرے کا مقصد ان تکلیفات کا پیش آنا ہے جن سے قانون قدرت نے کسی انسان کو مستثنےٰ نہیں فرمایا جیسے گرمی اور سردی اور بھوک اور پیاس وغیرہ۔ علاوہ ازیں بعض تکلیفیں جو انسان کو پہنچتی ہیں وہ درحقیقت اُس کے لیے فائدہ بخش ہوتی ہیں:

وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (۲ : ۲۱۶)

ممکن ہے کہ تم ایک بات کو ناپسند کرو لیکن وہی تمہارے حق میں بہتر ہو۔

اس لیے کسی ایسی تکلیف کے درمیان جو انسان کے حق میں خیر کثیر کا باعث ہو اور ایسی تکلیف جس سے دشمن اپنا جی ٹھنڈا کرے بہت بڑا فرق ہے۔ متوکل علی اللہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے دوسری قسم کی تکلیفات سے بچانے کا ذمہ لیا ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ اُس کو پہلی قسم کی کوئی تکلیف پیش آئے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ ہر ایک عمل کی جزا اُسی کی جنس سے ہوتی ہے اور چونکہ متوکل علی اللہ نے تمام دوسری اشیاء سے منہ موڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک پر بھروسہ کیا ہے، اس لیے آیت مذکورہ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ

عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ کے بموجب خود اللہ تعالیٰ اس کا ضامن اور کفیل بنا ہے اور اگر کوئی شخص سچے طور سے اللہ تعالیٰ پر توکل کرے تو اگر زمین و آسمان والے اسکے برخلاف سازش کریں تب بھی اللہ تعالیٰ اسکو انکی سازش کے شر سے محفوظ رکھکر اسکی نصرت فرمائے گا۔ توکل کی حقیقت، اسکے فوائد اور اسکی ضرورت کا ہم نے اپنی کتاب **الفتح القدسی** میں مفصل بیان کیا ہے[1]۔

ہم نے وہاں اس بات پر بھی بحث کی ہے کہ جو لوگ اس مقام کو معلول کہتے ہیں اور عوام کے مقامات سے خیال کرتے ہیں، ان کا یہ قول باطل ہے جسکے دلائل ہم نے وہاں پہ مفصل بیان کئے ہیں اور اس بات کی تصریح کی ہے کہ توکل کا مقام عارفین کے بزرگترین مقامات میں سے ہے اور کسی عارف کا مرتبہ کتنا ہی بلند ہو وہ اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا بلکہ اسکے توکل کی مقدار سے اسکے ایمان کا درجہ معلوم ہوتا ہے۔

پانچواں سبب: قلب کو فکر حسد سے خالی رکھنا

اپنے دل کو حاسد کے ساتھ مشغول رکھنے اور اسکے بارے میں کچھ سوچنے سے بالکل بچایا جائے۔ اور اگر اس قسم کا کوئی خطرہ دل میں پیدا ہو تو اسکے مٹانے کی فکر میں مصروف ہو بلکہ اسکی طرف التفات اور توجہ تک نہ کرے۔ یہ اسکے شر کو دفع کرنے کا زبردست علاج ہے۔ اور اسکی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کو اسکا دشمن ادھر اُدھر ڈھونڈتا ہے کہ وہ اس سے دست و گریباں ہو جائے تو اس صورت میں اگر وہ اپنے دشمن سے گتھم گتھا ہو جائے تو یقیناً وہ بہت کچھ تکلیف پائے گا اور دشمن کو اسپر زور آزمائی کرنے کا موقع مل جائے گا۔ لیکن اگر وہ اسکی طرف متوجہ نہ ہو اور اس سے بالکل بے اعتنائی کرے تو اس حالت میں وہ اسکے شر سے بچا رہے گا۔ ارواح کی بھی یہی کیفیت ہے۔ حاسد کی روح اپنے محسود کو ایذا پہنچانے اور تکلیف دینے کی طرف متوجہ

---

[1] اگر کسی کو یہ کتاب نہ ملے تو وہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب احیاء العلوم میں باب التوکل کا مطالعہ کرے۔

متوجہ رہتی ہے۔ اس لیئے اگر محسود کی روح بھی اسکی طرف متوجہ ہو تو دونوں کے درمیان ایک دائمی آویزش کی صورت پیدا ہو جائے گی اور دونوں کی روح اس وقت تک بے چین اور مضطرب رہے گی جب تک ایک ان میں سے ہلاک نہ ہو جائے لیکن اگر محسود اپنے قوائے روحانی اور آلاتِ فکر کو ادھر متوجہ ہونے نہ دے اور اگر بالفرض اس قسم کا کوئی خطرہ اس کے دل میں پیدا ہو تو اس کو ہٹانے اور زائل کرنے میں مشغول ہو، یہ طرزِ عمل اُسکے حق میں بہت زیادہ مفید ہو گا۔

حسد ایک آگ ہے جسکے لیئے ایندھن کی ضرورت ہے اور جب محسود ایسا طرزِ عمل اختیار کرے جس سے اسکو مطلق ایندھن نہ ملے تو اُسکے شعلے خود حاسد کو بھسم کر ڈالینگے اور محسود اُسکے شر سے محفوظ رہے گا۔

نفوسِ شریفہ اپنے دشمنوں کے حق میں یہی رویہ اختیار کرتے ہیں اور اس میں ایک ایسی روحانی حلاوت ہے کہ جس نے ایک مرتبہ اس کا مزہ چکھ لیا ہو اس کو اپنے دشمن کے خیال میں منہمک ہونا اور اپنے قوائے روحانی اور آلاتِ فکر کو ادھر متوجہ رکھنا ایک مصیبت اور عذاب معلوم ہوتا ہے، ان کو اللہ تعالیٰ کی نصرت پر پورا بھروسہ ہوتا ہے اور وہ جانتے ہیں کہ ہماری اپنی کوششیں اللہ تعالیٰ کی کفالت کے سامنے ہیچ ہیں وہ اپنے وعدے سچے اور اسکی نصرت تمام دوسرے نصرت کے اقسام سے بڑھ کر ہے:

وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ - (۹ : ۱۱۱)	اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اور کون اپنے وعدوں کا سچا ہے؟
وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ۝ (۴ : ۱۲۲)	اور اللہ تعالیٰ سے بڑھکر کون اپنے قول میں سچا ہو سکتا ہے؟

لیکن اس سبب خاص پر عمل کرنے کی اُسی سعادتمند کو توفیق ملتی ہے جس نے چھٹے سبب پر عمل کیا ہو جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

چھٹا سبب: رضائے الٰہی کی تلاش میں استغراق

اپنی توجہ کو نہایت اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنے پر

مرکوز رکھے اور اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اخلاص سے اس حد تک معمور کر دے کہ جہاں پر خواطرِ نفسانی اور وساوسِ شیطانی کا گزر ہوا کرتا تھا وہاں پر اللہ تعالیٰ کی محبت، اس کے لیے اخلاص اور اسکی خوشنودی کی طلب لبالب بھری ہو۔ اسکی مثال ایک محبت صادق کی ہو جس کا باطن اپنے محبوب کے خیال سے اس قدر بھرپور رہتا ہے کہ اس میں یادِ محبوب کے بغیر اور کسی چیز کی مطلق گنجائش نہیں ہوتی۔

ایسی حالت میں وہ اس بات کو کب گوارا کر سکتا ہے کہ اس کے قلب میں حاسد کا خیال جاگزیں ہو اور اس سے انتقام لینے کی فکر میں مشغول ہو۔ ایسے خیالات صرف اس دل میں آسکتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اسکی خوشنودی کی طلب نے جگہ نہ بنائی ہو۔ بے شک جن دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے اخلاص نے گھر کر لیا ہے، ان کا نگہبان خود خدائے پاک ہے اور وہ دشمن کے تسلط سے محفوظ رہتے ہیں

اللہ تعالیٰ اپنے کلام مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ جب ابلیس کو اپنی نجات سے مایوسی ہوئی تو اس نے بارگاہ رب العزت میں عرض کی کہ:

فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۙ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝ (۳۸ : ۸۳)	تیری عزت کی قسم! یقیناً ان سب کو گمراہ کروں گا لیکن تیرے مخلص بندے اس سے بچے رہیں گے۔

آگے ازراہِ تصدیق ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ ۝ (۱۵ : ۴۲)	بے شک میرے بندگانِ خاص پر تمہارا کچھ بھی تسلط نہیں ہوگا بلکہ تمہاری جماعت میں وہی گمراہ داخل ہونگے جو باختیارِ خود تمہاری پیروی کریں گے

یوسف صدیق علیہ السلام کے حق میں وارد ہے:

كَذَٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ ۚ	اسی طرح ہم نے اس سے برائی اور بے حیائی کو دور کیا

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ٥ (۱۲ : ۲۴)	کیوں وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھا۔

جو شخص اس قلعہ میں داخل ہوا وہ بڑا سعادتمند ہے، وہ ہر ایک قسم کے خوف سے امن میں رہے گا اور دشمن اُسکے قریب نہیں جا سکے گا۔

ساتواں سبب: گناہوں سے استغفار کی تجدید

آدمی کو اپنے گناہوں سے تائب ہونا چاہیے، کیونکہ دشمن کے مسلط ہونے کا سب سے بڑا سبب انسان کے اپنے گناہ ہوتے ہیں:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ (۴۲ : ۳۰)	جو مصیبت بھی تم کو پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کا کسب و عمل ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کو جو اس اُمت کے برگزیدہ ترین افراد کا مجموعہ تھا جنگ اُحد کے موقع پر اس طرح مخاطب کیا گیا ہے:

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ (۳ : ۱۶۵)	کیا جب تم کو مصیبت پہنچی بحالیکہ تم اس سے دُگنی مصیبت اپنے دشمنوں کو پہنچا چکے تھے تو تم کہنے لگے کہ ہیں! یہ مصیبت کہاں سے؟ اے محمد! ان صاف کہیں کہ یہ مصیبت تمہارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے

الغرض انسان کو جو تکلیف بھی پیش آئے وہ اس کے گناہوں کا نتیجہ ہو گا خواہ اسکو اپنے اُن گناہوں کا علم ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ جن گناہوں کا انسان کو علم ہوتا ہے اُن سے کئی گنا ایسے گناہ ہوتے ہیں جن کا اسکو علم نہیں ہوتا اور وہ اُن کو بھول جاتا ہے، ایک مشہور دعائے ماثورہ میں ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا وَّاَنَا اَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا اَعْلَمُ	بارخدایا! میں تیرے ساتھ اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں نے دانستہ تیرے ساتھ کسی کو شریک بنایا ہو اور میں ان گناہوں کی تجھ سے معافی چاہتا ہوں جن کو میں نہیں جانتا۔

اِس لیئے آدمی کو لازم ہے کہ وہ اپنے اُن گناہوں کی بابت بھی معافی اور مغفرت طلب کرے جن کو وہ نہیں جانتا ہے اور جن کی شامت سے اُس کو مصائب اور تکالیف پیش آتی ہیں۔

ایک بزرگ کی نقل ہے کہ کسی نے اُس سے سخت کلامی کی اور بُرا بھلا کہا۔ وہ بزرگ فوراً اپنے گھر میں داخل ہوا اور دروازہ بند کرکے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کبریائی میں تضرع کی اور گڑگڑایا اور اپنے دانستہ یا نادانستہ گناہوں کی بابت بخشش طلب کی، تب باہر نکلکر اُس شخص سے اِس طرح مخاطب ہوا۔ میں نے اپنے گناہوں سے توبہ کرلی ہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تم کو مجھ پر مسلط فرمایا تھا۔

ہم کسی موقع پر ذکر کریں گے[1] کہ جہاں بھر میں جتنی شر کی قسمیں پائی جاتی ہیں وہ بنی نوع انسان کے گناہوں اور اُن کے نتائج و اسباب تک محدود ہیں، اگر انسان گناہوں سے سلامت رہے تو بالضرور اُن کے نتائج سے بھی سلامت رہیگا۔ اِسلیئے اگر کسی شخص پر دشمن مسلط ہو اور اُس پر تعدی کرے اور اُسکو تکلیف پہنچائے تو اُسکے لیئے مفید ترین تدبیر یہ ہے کہ وہ سچے دل سے توبہ کرے اور اُسکی سعادتمندی اِسی میں ہے کہ بجائے اِسکے کہ دشمن سے انتقام لینے کی فکر کرے اپنے گناہوں اور عیوب پر نظر ڈالے اور اُن سے تائب ہوکر اپنے اعمال کی اصلاح میں مشغول ہو۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ خود اُسکی حفاظت اور اُسکی نصرت فرمائے گا۔

آٹھواں سبب: صدقہ اور نیکی کا عمل لازم کر لینا

تابحدِ اِمکان صدقہ دینا اور نیکی کرنا۔ بلا، مصیبت، نظربد اور حسد کا شر دفع کرنے میں اِسکا اثر حیرت انگیز ہوتا ہے۔ زمانۂ قدیم اور زمانۂ حال میں مختلف لوگوں نے تجربے کیئے اور اب یہ بات مسلم ہوچکی ہے کہ صدقہ دینے والے اور نیکی کرنے والے

---

[1] الجواب الکافی میں مصنف علیہ الرحمۃ نے اسپر مفصل بحث کی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ چھپ گیا ہے عمدہ قیمت ہے۔ مترجم

اشخاص نظرِ بد اور حسد کے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔ اور اگر ان کو اس سے کوئی مصیبت پہنچ بھی جائے تو اسکی عاقبت محمود ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم اور اسکی تائید ان کے شاملِ حال رہتی ہے، صدقہ دینے والے محسن کے لیئے اُس کا صدقہ اور احسان ایک قلعہ ہے، ایک سپر ہے جو اس کا محافظ ہوتا ہے۔

مختصر بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر نعمت کو زوال سے محفوظ رکھتا ہے اور نعمت کے زائل ہونے کا ایک قوی ترین سبب حاسد کا حسد ہے جس کا دل نعمت زائل ہوئے بغیر ٹھنڈا نہیں ہوتا۔ اسلیئے آدمی کو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر کرنا چاہیئے جس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اسکی خوشنودی حاصل کرنے میں صرف کیا جائے، اور یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت سے بڑھ کر اور کوئی چیز نعمت کو زائل نہیں کرتی، اور اسی کا نام کفرانِ نعمت ہے جس کا مآل بعض اوقات یا اکثر اوقات کفر ہوتا ہے، والعیاذ باللہ۔

نواں سبب: آتشِ حسد کو احسان سے بجھانا

حاسد کی آتشِ حسد کے شراروں کو اُسکے ساتھ احسان کرکے بجھایا جائے اور جسقدر وہ تعدی میں زیادتی کرے اتنا ہی اُسکے ساتھ احسان زیادہ کرے اور اُسکے ساتھ اظہارِ ہمدردی کرکے ہر طرح اُسکی اعانت کرے لیکن دشمن سے اس قسم کا سلوک کرنا نفس پر نہایت ہی شاق گزرتا ہے اور اسلیئے بہت کم خوش نصیب اور سعادتمند لوگوں کو ایسا کرنے کی توفیق ملتی ہے: قال اللہ تعالیٰ

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِيْمٌ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَآ	نیکی اور برائی ایک جیسی نہیں، تم برائی کے بدلے میں اچھے سے اچھا سلوک کرو جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارا دشمن تمہارا سرگرم دوست بن جائے گا لیکن اسکی توفیق انہیں کو دی جاتی ہے جو صبر

اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ۝ | اور ثابت قدمی کی صفت سے موصوف ہیں اور
(۴۱: ۳۴ و ۳۵) | اسپر عمل کرنے والا کوئی بڑا ہی سعادتمند ہوگا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نبی علیہ السلام کا حال بیان فرمایا ہے کہ اسکی قوم نے راہِ حق میں اسکو پتھروں سے مار مار کر خون آلود کیا تو اس نے اپنے چہرے سے خون کو پونچھتے ہوئے کہا:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ لَا یَعْلَمُوْنَ۝ | بارخدایا! میری قوم کو بخشش دے کیوں کہ وہ نہیں جانتے۔
( )

اس ایک ہی کلمے میں اُسنے احسان کے چار مقام کو جمع کرلیا ہے:۔

(۱) یہ کہ اُن کی سخت ترین بُرائی کو معاف کیا۔

(۲) یہ کہ اُن کے لیئے بخشش طلب کی۔

(۳) یہ کہ خود اُن کے لیئے ایک عذر پیدا کیا کہ وہ نہیں جانتے۔

(۴) یہ کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کو زیادہ قریب لانے کے لیئے اُن کی نسبت اپنی طرف کی اور کہا کہ میری قوم کو۔

جیسے کوئی شخص کسی حاکم کے پاس سفارش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ میرا غلام ہے، میرا بیٹا یا میرا دوست ہے۔ اس سے اُس حاکم کو مہربان کرنا اور شفاعت کو زیادہ مؤثر بنانا مقصود ہوتا ہے۔ اگرچہ اِس مقام کا حاصل کرنا دشوار ہے لیکن پھر بھی اسکو آسان بنانے کا ایک طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تم اپنے دل میں سوچ لو کہ آخر تم نے بھی تو خدا کے گناہ کیے ہیں جن کی سزا سے تم خائف ہو اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے امیدوار ہو اور اسپر اکتفا نہیں بلکہ تم یہ بھی چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا فضل اور انعام فرمائے اور تم کو جنت میں داخل کرکے درجاتِ عالیہ سے سرفراز فرمائے، جب تم اپنے حق میں اللہ تعالیٰ سے یہ سلوک چاہتے ہو تو اس سے پہلے تم کو چاہیئے کہ خود اپنے حاسدوں اور

بدخواہوں سے جو تمہارے گنہگار ہیں عفو اور احسان کا سلوک کرو، یقین ہے کہ اللہ تعالےٰ بھی تم سے ایسا ہی سلوک کرے گا کیونکہ جزا عمل کے جنس سے ہوتی ہے، بصورتِ دیگر تم کو اللہ تعالیٰ سے اس قسم کے سلوک کی توقع رکھنے کا کوئی حق حاصل نہیں، علاوہ ازیں اگر تم اپنے دشمن سے درگزر کر کے اُس کے ساتھ احسان کروگے تو اللہ تعالیٰ اس میں تمہاری امداد فرمائے گا اور تمہارے لیئے یہ مشکل اور دشوار عمل آسان ہو جائے گا۔

ایک صحابی نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی قرابت والوں کی شکایت کی کہ میں اُن سے نیکی کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ برائی کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: "جب تک تم اس عمل پر قائم رہوگے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے ساتھ ایک (غیبی) مددگار رہیگا۔" قطع نظر آخرت کے ثواب اور اجر کے اس دنیا میں بھی ایسا شخص لوگوں میں ہر دلعزیز ہوتا ہے اور وہ اُس کے ثناخواں رہتے ہیں اور دشمن کے مقابلے میں وہ ہمیشہ اُس کا ساتھ دیتے ہیں کیونکہ جو شخص کسی دوسرے کے ساتھ احسان کرتا ہے اور وہ دوسرا اُس سے برائی کرتا ہے تو ہر ایک شخص فطری طور پر اوّل الذکر کا ساتھ دے گا اور دوسرا اُسکے نزدیک قابلِ ملامت ہوگا اسلیئے دشمن کے ساتھ احسان کر کے تم نے گویا نامعلوم طور پر اپنے لیئے ساتھیوں اور مددگاروں کا ایک لشکر بنا لیا جو نہ تم سے تنخواہ مانگتے ہیں اور نہ رد بدلی کا مطالبہ کرتے ہیں۔

حاسد کے لیئے ایسی حالت میں دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ وہ اسکے متواتر احسانات سے متاثر ہوکر حسد چھوڑ دے اور اُسکا بندۂ احسان بن جائے۔ اس صورت میں وہ دونوں شیر و شکر ہوکر ایک دوسرے کے دوست بن جائینگے اور اگر بالفرض اُس کا خبثِ نفس اُسکو حسد چھوڑنے نہیں دیتا اور وہ اپنے محسود کو ضرر پہنچانے اور تکلیف دینے سے باز نہیں آتا تو اس کا انجام یقیناً حاسد کی ہلاکت ہوگا۔

الغرض تم اپنے حاسد اور بدخواہ کے ساتھ احسان کر کے اُسکو نیچا دکھا سکتے ہو

اور خود تم کو وہ سچی خوشی حاصل ہو سکتی ہے جس کا حصول انتقام کی حالت میں ہرگز متصور نہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے، وہو الموفق والمعین۔ اس مقام میں پورے ایک سو سے زائد دینی اور دنیاوی فوائد انسان کو حاصل ہوتے ہیں جن کی تفصیل کسی دوسرے موقع پر کیجائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

دسواں سبب: عالم اسباب کو نظر انداز کرکے خالق حقیقی کو نفع و ضرر کا مالک سمجھنا۔

دسواں سبب ان سب کا جامع اور سب کا اسی پر مدار ہے یعنی تمام ظاہری اسباب سے اپنی نظر کو آگے بڑھا کر مسبب الاسباب پر اپنی نظر جمانا اور اس بات کا یقین رکھنا کہ تمام علل و اسباب خالق تعالیٰ کے ارادے اور اسکی قدرت کے ساتھ وابستہ ہیں اور اسکے اذن کے بغیر کچھ بھی ضرر یا نفع نہیں پہنچا سکتے۔ وہی کسی کے دل میں ڈالتا ہے کہ تم سے احسان کرے اور کسی کے دل میں ایک ایسی صفت پیدا کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ تمہارے ساتھ برائی کرنے پر آمادہ ہوتا ہے۔ ولنعم ما قیل ؎

از خدا داں خلاف دشمن و دوست — کہ دل ہر دو در تصرف اوست

گرچہ تیر از کماں ہمی گزرد — از کماں دار بیند اہل خرد

وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۖ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ ۚ

(۱۰: ۱۰۷)

اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی تکلیف پہنچائے تو سوائے اُسکے اور کوئی بھی اسکو دور نہیں کرسکتا اور اگر وہ تمہارے حق میں بھلائی کرنا چاہے تو کوئی بھی اُسکی مہربانی کو رد نہیں کرسکتا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرکے فرمایا:

"تم جان لو کہ اگر تمام لوگ اکٹھے ہو کر تم کو کوئی نفع پہنچانا چاہیں اور اللہ تعالیٰ نے

تمہارے لیئے مقدر نہ کیا ہو تو وہ ہرگز تم کو وہ نفع نہیں پہنچا سکیں گے، اسی طرح اگر وہ سب اکٹھے ہو کر تم کو کوئی تکلیف پہنچانا چاہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیئے تقدیر میں نہیں لکھی ہے تو وہ ہرگز تم کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے۔

جب انسان اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھے اور اپنی توحید کو خالص کرے تو اُسکے دل سے ماسوائی کا خوف نکل جاتا ہے اور وہ دشمن کی مخالفانہ کوششوں کو پرکاہ کی قیمت نہیں دیتا کیونکہ اُسکی بیم و اُمید صرف اللہ تعالیٰ سے اور اُسکی انابت اور توکل فقط اپنے رب جلّ شانہٗ پر ہوتی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اگر وہ اپنے آلاتِ فکریہ کو دشمن سے ڈرنے اور اُس سے انتقام لینے کے خیال میں صرف کرے تو اس سے اُسکی توحید میں نقصان آجائے گا جس کو وہ ہمیشہ خالص اور کامل رکھنا چاہتا ہے اور اس حالت میں خود اللہ تعالیٰ اُسکی حفاظت فرماتا اور اس کو حاسدوں اور دشمنوں کے شر سے بچاتا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا ۗ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ (۲۲: ۳۸)	بیشک اللہ تعالیٰ مومنوں کی حمایت فرماتا ہے اور بیشک ہر ایک خائن اور ناسپاس کو دوست نہیں رکھتا۔

اِس لیئے اگر کسی شخص کا ایمان کامل ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اُسکی حمایت فرمائے گا کیونکہ اُس کے وعدے سچے ہیں اور اُن کے خلاف ہونا ناممکن ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ اُس کی حمایت کماحقہٗ نہیں فرماتا ہے تو یقین سمجھ لو کہ اتنا ہی اس کا ایمان ناقص ہوگا۔

ایک بزرگ کا قول ہے کہ جو بالکلیہ اپنے خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اللہ تعالےٰ بھی بالکلیہ اُسکی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور جو شخص بالکلیہ اللہ تعالیٰ سے مُنہ پھیر لیتا ہے اللہ تعالیٰ بھی بالکلیہ اُس سے مُنہ پھیر لیتا ہے۔ لیکن جو شخص کبھی کبھی خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ بھی کبھی کبھی اُسکی طرف متوجہ ہوتا ہے"

الغرض توحید ایک مستحکم قلعہ ہے جو شخص اسکے اندر داخل ہوا وہ تمام بلیات اور مصائب سے مامون ہوگا۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے

اس سے ہر ایک چیز ڈرتی ہے لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا ہے وہ ہر ایک چیز سے ڈرتا ہے۔

استحضار ما فات

یہ پورے دس سبب ہیں جن کے ذریعہ حاسد، ساحر اور نظر بد لگانے والے کا شر دفع کیا جا سکتا ہے لیکن اس سے مفید تر کوئی بات نہیں کہ انسان بالکلیہ اپنے خدا کی طرف متوجہ ہو۔ اسی پر اسکا بھروسہ ہو اور اسکے بغیر کسی کا خوف نہ کرے اور نہ کسی سے امید رکھے اسکا دل اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کے ساتھ لٹکا ہوا نہ ہو، اور نہ وہ کسی دوسرے کو مصیبت کے وقت پکارے یا اس سے فریاد خواہی کرے کیوں کہ جس کے دل میں کسی دوسری چیز کی محبت ہو اور اسکے ساتھ اسکا دل معلق ہو یا اسکی بیم و امید کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات پاک نہ ہو یا کسی دوسرے کا خوف اسکے دل میں جاگزیں ہو وہ اسی غیر کے حوالے کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے اپنی نگہبانی اٹھا لیتا ہے، یہی اللہ تعالیٰ کا قانون حکمت ہے اور اسمیں تبدیلی نہیں آتی۔

فصل سیزدہم (۱۳)

سورۂ فلق کا ماحصل

چار فقرے

سورۂ فلق کی تفسیر کے ضمن میں تمہیں بعض ایسے نافع اور مفید اصول بتا دیئے گئے ہیں جن کا جاننا انسان کے لیئے ازبس لازم ہے کیونکہ وہ دین و دنیا کے سود و بہبود پر مشتمل ہیں۔ تم کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حاسد کے نفس اور اسکی آنکھوں میں ایک زہریلا اثر ہے اور شیاطین کی روحیں سحر و جادو کے ذریعہ سے اپنا اثر ظاہر کرتی ہیں۔ حاسد

اور شیاطین کے متعلق چار مختلف عقیدے لوگوں میں پیدا ہوئے ہیں:

پہلا فرقہ: متکلمین و مادہ پرست

یہ فرقہ جنوں کے اثر کا منکر ہے لیکن یہ لوگ اپنے گھروں میں دو جماعتوں میں منقسم ہو گئے ہیں:

(۱) پہلی جماعت نفوسِ ناطقہ اور جنوں کے وجود کی قائل ہے لیکن ان کی تاثیر کی منکر ہے۔ یہ ان متکلمین کا قول ہے جنکو قویٰ اور اسباب کی تاثیر سے انکار ہے۔

(۲) دوسری جماعت سرے سے ان کا وجود ہی نہیں مانتی، ان کا قول ہے کہ انسان اسی ظاہری جسم اور خط و خال کا نام ہے جس میں چند ایک صفات اور اعراض موجود ہیں لیکن روح یا نفسِ ناطقہ کا کوئی مستقل وجود نہیں، جن اور شیطان انسان کے اعراض[1] ہیں جو اس کے ساتھ قائم ہیں۔

اکثر مادہ پرست اور بعض نام نہاد حکمائے اسلام کا یہی مذہب ہے، بعض متکلمین بھی اسی کے قائل ہیں جن کی سلف نے سخت مذمت کی ہے اور انکو اہل بدعت و ضلالت سے موسوم کیا ہے۔

دوسرا فرقہ: معتزلہ وغیرہ

یہ فرقہ اس بات کا منکر ہے کہ نفسِ انسانی کا بدن سے الگ کوئی مستقل وجود ہے لیکن جن اور شیطان کے وجود مستقل کے وہ قائل ہیں، معتزلہ اور بعض دیگر متکلمین کا یہی قول ہے۔

تیسرا فرقہ: کاہن وغیرہ

[1] اعراض جمع عرض کی ہے، عرض اسکو کہتے ہیں جس کا بذاتِ خود کوئی مستقل وجود نہ ہو بلکہ کسی دوسری چیز کے ضمن میں اس کا وجود پایا جائے مثلاً سیاہی اور سفیدی، علم اور جہل وغیرہ کا بذاتِ خود کوئی مستقل وجود نہیں بلکہ کسی چیز یا کسی انسان کے وجود سے ان کا وجود وابستہ ہے۔ (مترجم)

اِس فرقہ کا عقیدہ اِس کے برعکس ہے یعنی نفسِ انسانی کا بدن سے الگ مستقل وجود مانتے ہیں لیکن جن اور شیطان کے وجودِ مستقل کے قائل نہیں، اُن کا قول ہے کہ جن اور شیطان نفسِ انسانی ہی کے قُوٰے اور صفات کا نام ہے۔ مسلمان حکماء کی ایک بڑی جماعت اِس قول کی تائید میں ہے، یہ لوگ کہتے ہیں کہ دُنیا میں جو عجیب غریب اثرات اور خوارقِ عادات پائے جاتے ہیں وہ سب نفسِ انسانی کے مظاہر ہیں۔ سحر اور کہانت[1] اُن کے نزدیک نفسِ انسانی کے مظاہرِ قوٰے کا ایک کرشمہ ہے۔

شیخ بو علی سینا اور اُس کے اتباع کا یہی قول ہے۔ اور انہوں نے اپنے اِس قول کو یہاں تک وسعت دی ہے کہ رسولوں کے معجزات کو بھی اِسی کی ایک قسم تصور کیا ہے۔ اہلِ ملل کا اِس پر اتفاق ہے کہ یہ رسولوں کے اتباع میں داخل نہیں۔

چوتھا فرقہ: اہلِ حق

یہ فرقہ اتباعِ رسل اور اہلِ حق کا ہے جو اِس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ انسان کا نفسِ ناطقہ اُسکے بدن سے الگ ایک مستقل وجود رکھتا ہے۔ اِسی طرح جن اور شیاطین کے لیئے بھی وہ مستقل وجود مانتے ہیں، وہ اُنکے لیئے وہی صفتیں ثابت کرتے ہیں جن کا اثبات اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور اُنکے شر سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ پناہ مانگتے ہیں کیوں کہ اُن کا اعتقاد ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی اُن کو شر سے بچانے والا نہیں۔

الغرض اِن چار فرقوں میں سے یہی ایک فرقہ حق پر ہے، دوسرے فرقوں کے اقوال میں حق اور باطل دونوں باہم ملے ہوئے ہیں، وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔

---

[1] آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پیشتر عرب میں کثرت سے کاہن موجود تھے جو غیب دانی کے مدعی تھے اور پیشین گوئیاں کرتے تھے جن میں سے بعض پیشین گوئیاں ایک حد تک سچی ثابت ہوتی تھیں۔ اِن لوگوں کے پیشہ کو کہانت کہتے ہیں۔ (مترجم)

باب سوم

تفسیر سورۃ الناس

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ مَلِكِ النَّاسِ ۙ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۙ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ۶	اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے کہہ دے کہ اے لوگو، میں تمام لوگوں کے پروردگار، تمام لوگوں کے بادشاہ اور تمام لوگوں کے معبود کی پناہ ڈھونڈتا ہوں، وسوسہ ڈالنے والے شیطان کے شر سے وہ شیطان جو لوگوں کے دلوں میں (برے خیالات) ڈالتا رہتا ہے وہ جنوں سے ہو یا انسانوں سے۔

استعاذہ برب الناس

یہ سورۃ بھی پہلی سورۃ کی طرح استعاذہ اور مستعاذ بہ اور مستعاذ منہ پر مشتمل ہے، استعاذہ کی تو وہی تفصیل ہے جس کا ذکر سورۂ فلق میں ہو چکا ہے۔

فصل اوّل

مستعاذ بہ اور مستعاذ منہ

معانی

مستعاذ بہ (جس کے ساتھ پناہ لینا مطلوب ہے) اللہ تعالیٰ ہے جس کو ان صفات سے موصوف کیا گیا ہے:۔

رَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ۔	تمام لوگوں کا پرورش کرنے والا۔ تمام لوگوں کا بادشاہ۔ تمام لوگوں کا معبود۔

مستعاذ منہ (جس سے پناہ لی گئی ہے) شیطان ہے جس کے شر کے ساتھ ان اسمائے پاک کی مناسبت کا ہونا ضروری ہے، اسلئے ہم پہلے ان تینوں الفاظ کی اضافت کا مفہوم ظاہر کرتے ہیں اور اسکے بعد مناسبت کی وجہ ذکر کریں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ربّ کی تفسیر

رب الناس میں الناس کی طرف رب کا لفظ مضاف کیا گیا ہے، جس کا اشتقاق ربوبیت سے ہوا ہے، جسکے معنی ہیں لوگوں کا پیدا کرنا، ان کی پرورش کرنا، ان کی ضروریات کو پورا کرنا، اور ہر ایک طرح سے ان کی خبر گیری فرمانا۔ اسلئے ربوبیت کا مفہوم اس بات کا مقتضی ہے کہ اسکی قدرت کامل ہو، اس کا علم وسیع اور محیط ہو، وہ اپنی مخلوق کی ضروریات سے واقف ہو اور اسکی رحمت اور احسان کی کوئی انتہا نہ ہو۔

مَلِک کی تفسیر

لفظ مَلِکِ النّاس میں مَلِک یعنی بادشاہ کا لفظ النّاس کیطرف مضاف کیا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ تمام لوگ اسکے تابع فرمان بندے ہیں اور وہ جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف کرتا ہے۔ کوئی اسکی قدرت کاملہ کے دائرہ سے باہر نہیں اور ہر ایک طرح اسکو ان پر تسلط حاصل ہے، وہ ان کا سچا بادشاہ ہے جس کی طرف وہ ہر ایک تکلیف اور مصیبت کے پیش آنے پر رجوع کرتے ہیں۔ اور انکے تمام امور کلیہ اور جزئیہ کا انصرام اسی کے ہاتھ میں ہے۔

اللہ کی تفسیر

لفظ الٰہ النّاس میں الٰہ یعنی معبود کا لفظ النّاس کی طرف مضاف بنایا گیا ہے جسکا ملخص یہ ہے کہ وہی ان کا سچا معبود ہے اور اسی طرح اسکی ربوبیت اور اسکی بادشاہت میں کوئی بھی ساہم شریک نہیں۔ اسی طرح صرف وہی عبادت کا مستحق ہے اور اسکی عبادت میں کسی کو بھی شرکت کا حق حاصل نہیں۔

قرآن کا اُسلوب

قرآن کریم کا اُسلوبِ کلام یہی ہے کہ جا بجا مشرکوں کو اپنی ربوبیت اور اپنی بادشاہت[1] کا قائل کر کے اُس سے اپنی الوہیت اور معبودیت کے استحقاق پر استدلال فرماتا ہے جس میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک بنا رکھے ہیں۔

خلاصۂ کلام

جب یہ ثابت ہوا کہ وہی ہمارا رب ہے، وہی ہمارا بادشاہ اور وہی ہمارا معبود ہے تو اِن باتوں کو مان کر ہمیں چاہیئے کہ مصائب اور تکلیف میں اُسی کی طرف رجوع کریں، اُسی کو اپنی اعانت کے لیئے پکاریں اور اُسی کے ساتھ اپنی بیم و اُمید کو وابستہ رکھیں، اُسی کی محبت سے ہمارے دل بھرپور رہیں، اور اُسی پر ہمارا بھروسہ اور توکل ہو، اُسکے بغیر کسی دوسرے کے سامنے اپنا سرِ نیاز نہ جھکائیں، اور کسی دوسرے کی بارگاہ میں طلب حاجات کے لیئے نہ گڑگڑائیں کیوں کہ وہی ہمارا رب اور ہمارے تمام اُمور کا والی ہے۔ ہم اُسکے مملوک بندے ہیں اور وہی ہمارا سچا بادشاہ ہے جسکے ہاتھ ہمارے تمام مطالبات کی کنجی ہے، وہی ہمارا سچا معبود ہے جس سے ہم ایک لمحہ بھر بے نیاز نہیں ہو سکتے، اور جس کی طرف ہمارا احتیاج اس سے بہت زیادہ ہے جتنے کہ ہم اپنی روح اور اپنی زندگی کے محتاج ہیں، اسلیئے ہم سب کے لیئے لازم ہی کہ ہر وقت اُسی کی بارگاہِ کبریائی میں اپنی جبین نیاز زمین پر رگڑیں اور مصائب و شدائد کے وقت اُسی کے آگے دستِ التجا پھیلائیں، ہماری تمام احتیاجوں کو وہی رفع فرما سکتا ہے اور فرمائے گا اور ہر ایک قسم کی مشکل وہی آسان کر سکتا ہے اور کرے گا۔ اِس تمام تقریر سے تمہیں شرِ شیطان سے پناہ مانگنے کے لیئے جو انسان کا شدید ترین دشمن ہے اِن اسمائے حسنیٰ اور صفاتِ علیا کی وجہ مناسبت معلوم ہو گئی ہو گی۔

---

[1] ورنہ ربوبیت اور بادشاہت میں تو وہ بھی اُسکو وحدہٗ لاشریک مانتے ہیں۔ (مترجم)

جامعیت ثلاثہ

اِس مسلسل عبارت میں لفظ الناس کو جو اِن اسمائے حسنٰے کا مضاف الیہ ہو بار بار دُہرایا گیا ہے اور ضمیر پر اکتفا نہیں کیا گیا اسمیں یہ نکتہ ہے کہ مخاطب کو صراحۃً معلوم ہو جائے کہ ربوبیت، بادشاہت اور معبودیت تینوں مستقل صفات ہیں اور تینوں کے مفہوم کو الگ الگ ذہن میں رکھنا چاہیئے تاکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کا صفحۂ دل پر گہرا نقش آجائے۔ اِن صفات کی ترتیب میں ایک نہایت دلچسپ نکتہ ملحوظ رکھا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ربوبیت کی صفت کو اپنے عموم کی وجہ سے مقدم رکھا گیا ہے۔ اور چونکہ مخلوق کو پیدا کرنے اور اُن کی خبر گیری کرنے کے بعد اُن میں تصرف کرنے اور اپنے امر و نہی کو اسمیں نافذ کرنے کی باری آتی ہے۔ اور نافذ الامر بادشاہ ہونا ربوبیت کے سادہ مفہوم کی تکمیل ہے۔ اِس لیئے ترتیب طبعی کے مطابق مَلِک کے لفظ کو دوسری جگہ پر رکھنا مناسب تھا، اسی طرح بادشاہت کا کمال الوہیت میں ہے اور الوہیت کا مفہوم ان تینوں صفات میں خاص تر واقع ہوا ہے کیوں کہ ہر ایک مالک اور بادشاہ معبود نہیں ہوتا اسلیئے اِس کا سب سے پیچھے ذکر کرنا موزوں تھا،

علاوہ اِس کے یہ تینوں اسماء بلحاظ جامعیتِ معنی کے تمام اسمائے حسنٰے کے معانی پر مشتمل ہیں۔

ربّ الناس کا مفہوم

ربّ الناس کا لفظ اپنے وسیع مفہوم میں مندرجہ ذیل اسمائے حسنٰی کے معانی کو لیئے ہوئے ہے:۔

(۱) اَلْقَادِرُ۔ قدرت رکھنے والا (۲) اَلْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ، پیدا کرنے والا۔ خط و خال بنانے والا اور تصویر کھینچنے والا (۳) اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ وہ زندہ برقرار جس کی ذات پاک کے ساتھ سب مخلوقات کا قیام ہے اور وہ اُن کا قیوم ہے

(۴) اَلْعَلِیْمُ۔ جاننے والا (۵) اَلسَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔ سننے اور دیکھنے والا (۶) اَلْمُحْسِنُ الْمُنْعِمُ۔ احسان کرنے والا اور نعمتیں دینے والا (۷) اَلْجَوَادُ۔ نہایت سخی اور فیاض (۸) اَلْمُعْطِیْ الْمَانِعُ۔ اپنے قانونِ حکمت کے مطابق دینے اور روکنے والا۔ (۹) اَلضَّارُّ النَّافِعُ۔ نفع اور ضرر پہنچانے والا (۱۰) اَلْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے کرنے والا۔ جس کو چاہتا ہے اپنے قانونِ حکمت کے مطابق ہدایت دیتا ہے اور جس کو چاہے گمراہی میں چھوڑتا ہے، کسی کو سعادت بخشتا ہے اور کسی کو متقی بناتا ہے، عزت اور ذلت اپنی مشیت کے موافق دیتا ہے اور اس کے یہ تمام تصرفات قانونِ حکمت کے مطابق ہوتے ہیں۔

ملک الناس کا مفہوم

ملک الناس کو وسیع ترین معنوں میں لیا جائے تو ذیل کے اسمائے حسنٰی کا مفہوم اس کے ضمن میں آجاتا ہے: (۱) اَلْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ = غالب اپنے زبردست قانونِ قدرت کے اتباع پر تمام مخلوقات کو مجبور کرنے والا، عظمت اور کبریائی والا۔ (۲) اَلْحَکَمُ الْعَدْلُ۔ حکومت کرنے والا با انصاف۔ (۳) اَلْخَافِضُ الرَّافِعُ = کسی کو (حسبِ استحقاق) نیچے پھینکنے والا۔ اور کسی کے درجات بلند کرنے والا۔ (۴) اَلْمُعِزُّ الْمُذِلُّ۔ عزت اور ذلت دینے والا۔ (۵) اَلْعَظِیْمُ الْجَلِیْلُ الْکَبِیْرُ۔ عظمت اور جلال اور کبریائی کا خداوند (۶) اَلْوَالِیْ الْمُتَعَالِیْ بڑی شان والا۔ حاکم متصرف (۷) مَالِکُ الْمُلْکِ۔ تمام بادشاہت کا مالک وغیرہ وغیرہ۔

اِلٰہِ النَّاس کا مفہوم

الٰہ الناس کا لفظ تو تمام اسمائے حسنٰی کے معانی پر مشتمل ہے کیونکہ اس کا مفہوم (معبودِ حق) تمام صفاتِ کمال کا جامع ہے۔ چنانچہ لفظ الٰہ کے اشتقاق کے

متعلق سیبویہ اور دیگر نحاۃ کا یہ قول بالکل درست ہے کہ یہ دراصل الالٰہ تھا ادغام کے بعد اللہ ہو گیا۔ اور نیز یہ کہ اللہ اسم ذات ہے اور اسلیئے وہ تمام اسمائے حسنٰے کے معانی پر جو اسمائے صفات ہیں مشتمل سمجھا جاتا ہے۔ الغرض چوں کہ یہ تینوں اسماء تمام اسمائے حسنٰے کے معانی کو اپنے ضمن میں لیئے ہوئے ہیں، اسلیئے جو شخص شیطان کے شر سے ان کے ساتھ پناہ طلب کرے گا وہ مستحق ہے کہ اسکو اسکے شر سے پناہ دیجائے اور وہ اسکے وسوسہ سے محفوظ رہے۔

فصل دوم

سورۂ فلق اور سورۂ ناس کا مقابلہ

دنیاوی شرور

سورۂ فلق میں ان شرور سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے جو خارج سے انسان کو پیش آتے ہیں۔ اور سورۂ ناس میں اس شر عظیم کا ذکر ہے جو خود انسان کے اندر موجود ہے اور جس سے بچنا خود اسکی اپنی قوت مدافعت پر منحصر ہے۔ دنیا میں شر کی دو ہی بڑی بڑی قسمیں ہیں۔ ایک ذنوب اور معاصی کا شر۔ دوسرا مصائب اور تکالیف کا شر۔ پہلی سورۃ میں مؤخر الذکر قسم کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے اور دوسری سورۃ میں اول الذکر قسم کے شر سے پناہ طلب کی گئی ہے۔ جس کی اصل ہمیشہ شیطان کا وسوسہ ہوتا ہے لیکن انسان کو اسکے اثرات روکنے کا اختیار حاصل ہے اور آدمی اسپر غالب آسکتا ہے۔

فصل سوم

وسواس کی تفسیر

لفظی و اصطلاحی معنی

وسوسہ کے اصلی معنی ہیں آہستہ سے کوئی بات کہنا جس کا دوسرے حاضرین کو احساس نہو۔ اصطلاح میں اسکے معنی ہیں شیطان کا کسی کے دل میں برائی کا خیال ڈالنا۔ اس قسم کے مصدر میں عموماً تکرار کے معنی ہوتے ہیں۔ اور شیطان کے القاء کو اس واسطے وسوسہ کہنا مناسب ہے کہ وہ بھی بار بار القاء کرتا ہے۔

وسواس کے لفظ میں نحویوں کا اختلاف[1] ہے کہ وہ مصدر ہے یا صفت، لیکن راجح قول یہ ہے کہ وسواس اسم صفت ہے جس کے معنی ہیں وسوسہ ڈالنے والا، اور اس سے مراد شیطان ہے۔

شیطان کا وسوسہ تمام گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی جڑ ہے، اور شیطان کا وسوسہ ایک ایسا شر ہے جس کا سبب خود انسان کے اندر موجود ہے اور اس کا تعلق انسان کے کسب اور اختیار سے ہے اور اسلئے اس سے بچنے کا وہ خود ذمہ دار ہے کیوں کہ شیطان کا وسوسہ اس وقت تک کچھ بھی شر نہیں پیدا کرتا جب تک آدمی خود اس کو قبول نہ کرے اور اس پر عمل پیرا نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ ابراہیم میں ہماری تنبیہ کے لئے شیطان کا ایک مکالمہ نقل فرمایا ہے جو قیامت کے روز وقوع میں آئیگا۔ اس میں ایک آیت یہ ہے۔

وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ

(۱۴ : ۲۲)

(شیطان کا قول ہے) اور مجھ کو تم لوگوں پر کسی قسم کا ذرہ بھر تسلط نہیں تھا میرا کام صرف اتنا تھا کہ میں نے تم کو بلایا اور تم نے اسکو قبول کر لیا۔ اسلئے تم مجھے کو ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔

؎۱ ہر ایک فریق نے اپنے قول کی ترجیح میں بہت سے وجوہ سے استدلالات کئے ہیں جن کا بیان کرنا عام ناظرین کیلئے بے دلچسپی کا موجب ہونے کے علاوہ انکی سمجھ سے بھی کسیقدر بالاتر ہوگا۔ اسلئے ان مباحث کا حذف کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ (مترجم)

فصل چہارم

الخناس کی تفسیر

خناس کے معنی

خناس کا اشتقاق خنس ہے۔ جس کے معنی ہیں ظہور میں آنے کے بعد چھپ جانا اور پیچھے ہٹ جانا۔ قرآن میں ہے:

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝ (۸۱ : ۱۵)

میں قسم کھاتا ہوں اُن ستاروں کی جو ظہور میں آنے کے بعد چھپ جاتے ہیں۔

بعض مفسرین نے دوسرے معنی لیکر اسکی تفسیر میں لکھا ہے کہ وہ ستارے جو آگے بڑھتے بڑھتے پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ الغرض اس مادہ میں یہ دونوں معنی پائے جاتے ہیں۔ خنّاس مبالغے کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں بہت چھپ جانے والا۔ اور بہت پیچھے ہٹ جانے والا۔ یہ شیطان وسواس کی صفت ہے۔ اور اسکی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب انسان اللہ تعالےٰ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے تو شیطان اُسکے قلب پر چھا جاتا ہے اور اُس کے دل میں قسم قسم کے وسوسے ڈالتا ہے جو مختلف گناہوں کے ارتکاب کا بیج ہوتا ہے لیکن جب انسان اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہو جائے اور اسکے ساتھ شیطان کے شر سے پناہ لے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اور ظاہر ہونے کے بعد پھر چھپ جاتا ہے۔

قتادہ رضی اللہ عنہ نے تمثیلی پیرائے میں اسکو اس طرح بیان کیا ہے، کہ شیطان لمبی کتے جیسی تھوتھنی آدمی کے قلب پر رکھے رہتا ہے لیکن جب آدمی اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اور اپنے اڈے کو چھوڑ دیتا ہے۔ اسی طرح بعض بزرگوں نے اُسکو سانپ کے سر سے تشبیہ دی ہے۔ پہلی تشبیہ تحقیر کے لیے ہے اور دوسری میں

اسکے زہریلے اثرات کی طرف اشارہ ہے۔ مبالغے کا صیغہ اسلیئے استعمال کیا گیا ہے کہ وہ باربار ایسا کرتا ہے یعنی ذرا سا موقع اسکو ملا اور اس نے وسوسہ ڈالنا شروع کیا لیکن جونہی آدمی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا اور وہ پیچھے ہٹ گیا۔ وھٰکذا الیٰ غیر النہایۃ۔

مومن کا شیطان

بہرکیف اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع کرنا اور اسکی یاد میں مشغول ہونا شیطان کے ہٹانے کیلئے کوڑے کا کام دیتا ہے اور گرز آہنی کی ضرب سے بڑھکر اسکو تکلیف دیتا ہے اسلیئے بعض بزرگوں نے یہ کنایہ استعمال کیا ہے کہ مومن کا شیطان لاغر اور درماندہ ہوتا ہے کیوں کہ مومن شخص ہمیشہ اپنے شیطان کو ذکر اللہ کے کوڑے لگاتا رہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت اور توبہ و استغفار میں مشغول رہ کر اس کو لاغر اور درماندہ بنانے میں کوتاہی نہیں کرتا ؛ اور اس کا شیطان ہمیشہ تکلیف میں رہتا ہے، برخلاف اسکے فاسق و فاجر آدمی کا شیطان موٹا تازہ رہتا ہے کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو چھوڑ کر شیطان کی اطاعت میں مصروف رہتا ہے اور اسکو ناراض ہونے کا موقع نہیں دیتا لیکن یہ یاد رکھو کہ جو شخص اس دنیاوی زندگی میں اپنے شیطان کو ذلیل اور معذب نہیں رکھیگا تو آخرت میں شیطان اسکے عذاب کا باعث ہوگا۔ اور اسکا ٹھکانا دوزخ میں ہوگا۔

فصل پنجم

تفسیر الذی یوسوس فی صدور الناس

شیطانی وسوسہ

الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ	وہ شیطان جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا رہتا ہے۔

پہلی آیت میں وسوسہ ڈالنے والے کا ذکر تھا اور اس آیت میں وسوسہ کی جگہ بتائی گئی ہے۔

شیطان کا نفوذ

اللہ تعالیٰ نے شیطان کو یہ قدرت بخشی ہے کہ وہ انسان کے سینے میں داخل ہو اور اسکے دل میں فاسد خیالات پیدا کرے (جس کا دوسرا نام وسوسہ ہے) وہ اسکے رگ و ریشہ میں سرایت کیئے رہتا ہے اور موت کے وقت تک اس سے جدا نہیں ہوتا۔

دلائل نفوذ شیطان

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ مسجد میں اعتکاف کیئے ہوئے تھے۔ رات کے وقت میں آپ کی نیاز حاصل کرنیکے لیئے خدمت میں حاضر ہوئی۔ تھوڑی دیر تک بات چیت کرنیکے بعد میں واپس آنے لگی تو آپ مجھے رخصت کرنیکے لیئے تھوڑی دور میرے ساتھ چلے (حضرت صفیہؓ کا گھر اسامہ بن زید کی حویلی میں تھا) اس اثناء میں انصار کے دو آدمی سامنے سے گزرے اور انہوں نے آپ کو پہچانا تو تیزی سے آگے نکل گئے۔ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آواز دیکر فرمایا، ذرا ٹھیر جاؤ، یہ میری اپنی بیوی صفیہؓ ہے۔ انہوں نے آپ کی اس غیر ضروری صفائی پیش کرنے پر تعجب کیا اور کہا سبحان اللہ! یا رسول اللہ! (یعنی آپ کے متعلق بھی کسی قسم کا شبہ ہو سکتا ہے؟) آپ نے فرمایا۔ "بیشک شیطان انسان کے رگ و ریشہ میں خون کی طرح سرایت کر جاتا ہے اور مجھے خوف تھا کہ کہیں تمہارے دل میں کوئی شک پیدا نہ کر دے۔"

بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صحیح حدیث ہے کہ جب نماز کے لیئے اذان ہونے لگتی ہے تو شیطان گوز لگاتا ہوا پیچھے ہٹتا چلا جاتا ہے جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو وہ پھر نمازیوں کے ورغلانے کے لیئے متوجہ ہوتا ہے۔

جب اقامت شروع ہوتی ہے تو پھر پسپا ہونے لگتا ہے۔ اقامت سے جب فراغت ہوتی ہے تو پھر آموجود ہوتا ہے اور آدمی کے دل میں وسوسے ڈالنے میں مصروف ہو جاتا ہے اور بھولی بسری باتیں اُسکو یاد دلاتا ہے۔ یہانتک کہ نمازی نہیں جانتا کہ میں نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار۔ ایسی حالت میں سجدہ سہو کرنا چاہیئے۔

وسوسہ کی قسمیں

اسی وسوسہ کی ایک قسم وہ ہے جس کا ذکر اُس حدیث میں ہے جو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے: تم میں سے کسی کے پاس شیطان آجاتا ہے اور یہ وسوسہ ڈالنا شروع کر دیتا ہے کہ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا اور فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا۔ یہانتک کہ وہ کہہ دیتا ہے کہ خدا کو کس نے پیدا کیا۔ جو کوئی تم میں سے اپنے دل میں یہ وسوسہ پائے اُسکو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ پناہ مانگے اور اپنے خیال کو زیادہ دوڑانے سے باز آجائے۔

نیز صحیح بخاری میں موجود ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے آپ کی خدمت میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم اپنے دل میں بعض اوقات ایسا خیال پاتے ہیں کہ اگر ہم آسمان سے گر کر ہلاک ہو جائیں تو اس بات کو ہم اس بات پر ترجیح دینگے کہ اس خیال کو زبان پر لائیں۔ آپ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اُس نے شیطان کی سازشوں اور بداندیشیوں کو وسوسہ تک محدود رکھا (یعنی اسپر مواخذہ نہیں)۔

یہ بھی وسوسہ کی ایک قسم ہے کہ انسان کوئی نیکی کا کام کرنا چاہتا ہے اور شیطان اُسکو دوسرے خیالات میں یہاں تک لگائے رکھتا ہے کہ وہ اُس نیکی کا کرنا بھول جاتا ہے۔ اسی بنا پر نسیان اور فراموشی کی نسبت شیطان کی طرف کی جاتی ہے کیونکہ وہی اُس کا باعث ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے قصے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے

شاگرد حضرت یوشع بن نون کا قول منقول ہے:-

فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ ز وَمَا أَنسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ: (۱۵-۶۳)

یعنی میں مچھلی کی بابت ذکر کرنا بھول گیا۔ اور شیطان ہی نے اُس کا ذکر کرنا بھلا دیا

شیطان کا سب سے بڑا شر

آیت زیر تفسیر میں شر کی اضافت شیطان کی طرف کی گئی ہے۔ اور اگرچہ اس کا ایک عظیم شر اس کا وسوسہ ڈالنا ہے تاہم یہ نہیں کہا کہ من شر وسوسہ بلکہ کہا ہے من شر الوسواس الخناس۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ استعاذہ اسکے تمام شرور پر مشتمل ہے البتہ اس میں شک نہیں کہ اس کا عظیم ترین شر جس سے زبردست اور بڑے سے بڑا آدمی محفوظ نہیں رہ سکتا یہی وسوسہ ہے جو انسانی ارادہ کے گناہ اور معصیت پر مائل کرنے کی جستجو اور ہر ایک قسم کے اعمال فاسدہ کے ظہور میں آنے کا ابتدائی بیج ہے۔

شیطان کا طرز عمل

انسان کا آئینہ دل ہر ایک قسم کے شر اور معصیت کے خیال سے سادہ ہوتا ہے شیطان اپنے وسوسہ کے ذریعہ سے اسکے صحیفہ دل پر گناہ کی ایک تصویر قائم کر دیتا ہے جسکو آراستہ کرنے اور مزین بنانے پر وہ اپنی ہنرمندی صرف کرتا ہے۔ اور بالآخر اسکو انسان کے سامنے ایک دلکش شکل سے پیش کرنے میں کامیاب ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی کے دل میں اُس گناہ کے کرنے کا خیال راسخ ہو کر ارادہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور شیطان اُسکے مضر اثرات اور اُسکے انجام بد اور اُسکی عقوبت کو اُسکی چشم بصیرت سے اوجھل کر دیتا ہے۔ چنانچہ اسکو صرف گناہ کی صورت اور اُسکی لذت نظر آتی ہے اور بس۔ اس حالت میں شیطان اُسکے دل میں حرص اور شہوت کے لشکر کو حرکت دیتا ہے اور اُسکو گناہ کے ارتکاب پر آمادہ کرنے میں کوئی کسر باقی

سلسلہ مرضہ روحانی کی اصطلاح میں خوش گواری کے لوازم کو ملحوظ رکھکر یہ کہنا چاہیے کہ اُسکے دل سے پلیٹ پر ... مترجم

نہیں چھوڑتا۔ اِسکے بعد جو کچھ وقوع میں آتا ہے وہ تم نے خود اپنے آپ میں اور دوسروں میں مشاہدہ کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ۝ (۱۹: ۸۳)	کیا تم نے اس بات کو مشاہدہ نہیں کیا کہ ہم شیطانوں کو کافروں کے مقابلہ میں (انکو گمراہ کرنے کیلئے) چھوڑ دیتے ہیں[1]۔ اور وہ شیطان انکو اچھی جنبش دیتے ہیں[2] وہ خود ان کا اثر قبول کرنے کیلئے آمادہ ہوتے ہیں

الغرض وہ اس طرح انسان سے گناہ کرا کے چھوڑتا ہے۔ ہر ایک گناہ اور معصیت کی جڑ اسی کا وسوسہ ہے اور اسی حکمت کے لئے آیۃ کریمہ میں اُسکے شر سے استعاذہ کی تعلیم دیتے ہوئے اُسکو وَسْوَاس: وسوسہ ڈالنے والا کے لفظ سے موصوف کیا گیا ہے کیوں کہ یہی اسکی ایک ممتاز صفت ہے۔

فصل ششم

شیطان کے دوسرے شر

اقسام

اِسکے علاوہ اور بھی اُس سے کئی قسم کے شر صادر ہوتے ہیں جن سے پناہ مانگنا لازم تھا۔ اور اسلیئے شر کو اسکی ذات کی طرف مضاف کیا گیا ہے تاکہ استعاذہ اُسکے تمام شرور پر مشتمل ہو، وسوسہ کو چھوڑ کر اُسکے دوسرے شرور بھی یہ ہیں:

(۱) وہ چور ہے اور لوگوں کے مال چراتا ہے۔ جس کھانے یا پینے کی چیز پر اللہ تعالیٰ کا

---

[1] اس تعبیر میں یہ نکتہ ہے کہ شیطان کی مثال ایک کتے کی ہے جس کو شکار پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ (مترجم)

[2] اُن کے قوائے شہوانی کو تیز اور ارتکاب گناہ کے بارے میں ان کی سستی کو دور کرتے ہیں۔ (مترجم)

نام نہ ذکر کیا جائے اُس سے اپنا حصہ چرا لینے میں وہ کامیاب ہوتا ہے، اِسی طرح جس گھر میں اللہ تعالیٰ کی یاد سے لوگ غافل ہوں وہ اُس گھر میں شب باش ہوتا ہے۔

(۳۲) ایک شر اُس کا یہ ہے کہ جسکے دل میں وسوسہ ڈالکر اُس سے گناہ کراتا ہے پھر خود ہی اس کا پردہ فاش کرکے لوگوں میں اسکو فضیحت کرتا اور انگشت نما بناتا ہے۔ بسا اوقات ایک شخص پوشیدہ طور پر کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے جس سے کوئی بھی آگاہ نہیں ہوتا لیکن وہ دیکھتا ہے کہ دوسرے دن اُسکی خبر چاروں طرف پھیل گئی ہے، اور لوگوں کا موضوعِ سخن اسی کا گناہ ہے، یہ تمام شیطان کی کارستانی ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ستار ہے اپنے بندہ کے گناہوں اور اُسکے عیوب پر پردہ ڈالتا ہے لیکن شیطان جو اُس کا دشمن ہے اُسکو فضیحت کرنا چاہتا ہے، بہت سے لوگ اس نکتہ سے بیخبر ہیں۔

تہجد سے باز رکھنا

(۳۳) شیطان کا ایک شر یہ ہے کہ جب انسان سو جاتا ہے تو وہ اُسکی گُدّی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے جو اُسکے لیئے تہجد کے واسطے اُٹھنے سے مانع ہوتی ہیں۔ صحیح بخاری میں بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جب تم میں سے کوئی سو جاتا ہے تو شیطان اسکی گُدّی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے، ہر ایک گرہ میں یہ منتر پھونک دیتا ہے کہ ابھی کیا اُٹھتے ہو بہت رات باقی ہے، سو جاؤ۔ لیکن اگر آدمی اسکے کہنے پر التفات نہ کرکے اُٹھ بیٹھے اور خدا کو یاد کرلے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے۔ پھر اگر اس نے وضو بھی کرلیا تو دوسری کھل جاتی ہے اور اگر نماز بھی پڑھ لی تو اُسکی تمام گرہیں کھل جاتی ہیں اور صبح کو اُسکے اعضا چست اور اُسکی طبیعت خوش ہوتی ہے، بصورت دیگر اُسکی طبیعت پریشان اور اُسکے اعضا سست ہوتے ہیں۔ ایک صحیح حدیث کا مفہوم یہ بھی ہے کہ جو شخص ساری رات سوتا ہے اُسکے کان میں شیطان نے پیشاب کیا ہوتا ہے۔

نیکی کے کام سے روکنا

(۴) شیطان کا ایک شر یہ بھی ہے کہ انسان کوئی نیکی کا کام کرنا چاہے تو وہ اس کا راستہ روکتا اور اُسکو نیکی سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے، دنیا میں جتنی بھی نیکیاں ہیں ہر ایک نیکی کے رستہ پر شیطان بیٹھا راستہ روک رہا ہے، اور اُسکی تمام تر کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس راستہ پر کوئی نہ چلے اور اگر کوئی اسکی مخالفت کرکے چل پڑے تو وہ قاطع الطریق (رہزن) کی طرح اُسکو تشویش میں ڈالکر اور ہر قسم کے موانع اُسکے سامنے لاکر اُسکو آخر تک پہنچنے نہیں دیتا لیکن اگر کوئی خوش قسمت اور باہمت انسان نیکی کرنے میں کامیاب ہو جائے تو اُسکو ایسی باتوں پر آمادہ کرنے میں کوشاں رہتا ہے جس سے اُس کا وہ عمل صالح برباد ہو جائے[۱]۔

کلام مجید میں شیطان کا قول منقول ہے:

لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُم مِّن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَن شَمَائِلِهِمْ ۖ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ۝ (۷: ۱۶، ۱۷)	یقیناً میں انکو گمراہ کرنے کیلئے تیرے صراط مستقیم پر بیٹھ جاؤنگا اور پھر میں انکا راستہ روکنے کیلئے اُنکے آگے کی طرف سے اور اُنکے پیچھے کی طرف سے اور اُنکے دائیں اور بائیں جانب سے اگر اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوا نیکی کوشش کرونگا اور اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو انمیں سے اکثر کو ناشکرگزار پائیگا

اُسی نے ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالا اور اُسی نے ہر ایک نبی علیہ السلام کے زمانہ میں یہ کوشش کی کہ اُسکی دعوت الی اللہ کامیاب نہ ہو۔

شیطان اپنی پرستش چاہتا ہے

(۵) وہ چاہتا ہے کہ خدا کی توحید اور عبادت دُنیا سے مٹ جائے اور جا بجا

---

[۱] مثلاً اثناء عمل میں ریا اور نمود اور اس کے ہو چکنے کے بعد عجب اور خود پسندی عمل کے ثواب کو ضائع کردیتی ہے یا جیسے صدقہ کے لیے منت نہیں اور ایذا اُسکے اجر کو برباد کرنے کا موجب ہیں۔ وغیرہ وغیرہ (مترجم)

چار دانگ عالم میں اسکی (شیطان کی) دعوت کا بول بالا ہو اور لوگ اپنے معبود برحق کو چھوڑکر اسکی پرستش میں مشغول ہو جائیں۔

حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈلوانا

(۶) ایسی کی کارستانی تھی کہ اہل بابل کو اسپر آمادہ کیا کہ رئیس الموحدین ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگ میں پھینکیں

حضرت عیسیٰ کو صلیب پر چڑھانا

(۷) اسی نے یہودیوں کو ورغلایا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھانے کے لیئے جدوجہد کریں۔ یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے انکی حمایت کی اور کافروں کے شر سے انھیں محفوظ رکھا۔ پہلے کے حق میں فرمایا:

یٰنَارُ كُونِي بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ (۲۱: ۶۸)	اے آگ! ابراہیم کے حق میں ٹھنڈی اور سلامتی کا موجب ہو جا۔

اور دوسرے کے حق میں ارشاد ہے کہ:

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (۴: ۱۵۷)	انھوں نے نہ اسکو قتل کیا اور نہ اسکو صلیب دینے میں کامیاب ہوئے بلکہ ایک شبہ میں ڈال دیئے گئے

حضرت یحییٰ کی شہادت

(۸) شیطان ہی کے کرتوت تھے کہ حضرت یحییٰ اور زکریا علیہما السلام کو کافروں کے ہاتھ سے شہید کرایا۔ فرعون کو خدائی کا دعوےٰ کرنے، ملک میں سخت فساد پھیلانے اور غریبوں پر مظالم ڈھانے پر آمادہ کیا۔ اور ہمارے نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے برخلاف کافروں کو اکسایا کہ اُن کے قتل کی سازش کریں اور ان کی رسالت کو ناکامیاب بنانے کے لیئے اِن کے ساتھ لڑائیاں لڑیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں ورغلانا

(۹) ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے کہ وہ آگ کا ایک شعلہ لیکر سامنے سے نمودار ہوا اور قریب تھا کہ آپ کو اس سے گزند پہنچے لیکن آپ نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ پناہ دی اور اُسپر خدا کی لعنت بھیجی جسپر وہ بھاگ گیا۔

رسول کریمؐ پر جادو کرنا

(۱۰) اسی طرح یہودیوں کو ورغلایا اور انہوں نے آپؐ پر جادو کیا۔ جس کا ذکر پہلے مفصل ہو چکا ہے۔

الغرض جب اُسکی یہ حالت تھی کہ وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تک سے نہیں چوکتا اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی حالت میں چھیڑا تو اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ اس کے شر سے مخلصی پانا کس قدر دشوار ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اُسکا فضل شامل نہ ہو تو معاملہ نہایت سخت ہی:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (۲۴ : ۲۱)	اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُسکی عنایت تمہارے شامل حال نہ ہوتی تو کوئی بھی تم میں سے ہرگز اس کے شر سے مخلصی پا کر پاکیزہ نہ بنتا لیکن اللہ تعالیٰ جسکو چاہتا ہے اپنے قانونِ حکمت کے مطابق پاکیزہ بناتا اور اس کے شر سے محفوظ رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے

فصل ہفتم

شیطانی شر کے اقسام

چھ قسمیں

اگرچہ ہر ایک قسم کا شر جو دنیا میں موجود ہے اُسکی ابتدا شیطان سے ہے

اور اس لیئے شرک کی قسموں کا شمار کرنا قدرے دشوار ہے۔ لیکن اسکی بڑی بڑی چھ قسمیں ہیں، اور وہ ہمیشہ انسان کو انہیں میں سے کسی ایک میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان کی تفصیل ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:

شرک و کفر

(۱) سب سے بڑا شر شرک و کفر ہے جس کا نتیجہ اللہ اور رسول کی دشمنی ہوتی ہے، اور جس کی عقوبت آخرت میں ابدی جہنم ہے۔ شیطان سب سے پہلے انسان کو اسی میں مبتلا کرنا چاہتا ہے اور اگر وہ اس میں کامیاب ہو جائے تو گویا اُسکے دل کی مراد پوری ہو جاتی ہے، کیوں کہ ایسا شخص (العیاذ باللہ) ابلیس کا داعی اور اسکا نائب بن جاتا ہے۔

بدعت

(۲) لیکن اگر پہلی قسم میں وہ کامیاب نہ ہو تو پھر وہ آدمی کو بدعت کی طرف بُلاتا ہے اور اسکو وہ فسق و فجور پر ترجیح دیتا ہے کیونکہ اول الذکر کا تعلق اعتقاد سے ہے اور مؤخر الذکر عمل کی خرابی ہے۔ علاوہ ازیں کھلے گناہ پر اکثر انسان کا اپنا ضمیر اسکو ملامت کرتا ہے اور اسلیئے وہ عموماً توبہ پر مائل ہو جاتا ہے، لیکن چوں کہ بدعت کو آدمی اپنے زُعم میں بُرا سمجھتا ہی نہیں بلکہ یہ خیال کرتا ہے کہ میں ایک اچھا[1] کام کر رہا ہوں اسلیئے وہ اس سے تائب نہیں ہوتا اور نہ ہی اُسکے تائب ہونے کی اُمید کی جا سکتی ہے۔

بدعت کی بنا من حیث یدری او لا یدری مخالفت رسول پر ہے اور اس لیئے اس کا درجہ شرک اور کفر کے قریب قریب ہے، لہذا بدعت کی طرف بلانا شیطان

---

[1] کیونکہ بدعت کے یہ معنی ہیں کہ آدمی سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی عمل کرے اور اُسکا اعتقاد یہ ہو کہ میرا یہ فعل سنت کے مطابق اور اسلیئے مستحسن ہے کیونکہ اپنے فعل کے استحسان کی اُسنے کوئی نہ کوئی وجہ ٹھیرالی ہوتی ہے اور شیطان کا کام ہی یہ ہے کہ وہ اسکو اس مغالطہ میں ڈال دے۔ (مترجم)

لعین کا مرغوب مشغلہ ہے اور اس کوشش میں وہ کامیاب ہو تو وہ سمجھتا ہی کہ میں نے اپنے نائبوں کی تعداد میں ایک اور کا اضافہ کر دیا، بلحاظ شر کے مبتدع بھی کافر اور مشرک سے کچھ کم نہیں بلکہ بعض اوقات اس کا شر ان سے بڑھ کر خرابی پیدا کرتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسلام کا دوست نما دشمن ہے اور اس کا بدعت کی طرف بلانا شہد میں زہر ملا کر دینے کی مثال رکھتا ہے۔

کبائر

(۳۳) لیکن اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے سُنّت پر ثابت قدم رہنے کی توفیق بخشی ہو اور شیطان کی مُلمع کاریاں اُسکی تیز بین اور نقاد نظروں سے چہرہ حقیقت اور جمالِ سُنّت چھپانے میں کامیاب نہ ہوسکتی ہوں تو پھر اُس کا تیسرا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اُسکو کبائر کے ارتکاب پر آمادہ اور اُسمیں مبتلا کر دے۔ اور اگر وہ شخص عالم ہے اور لوگ اسکو قابلِ اقتدا سمجھتے ہیں تو شیطانِ لعین کی تمامتر کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ اُسکو پھسلا دے تاکہ لوگ اُس سے نفرت کرنے لگیں اور اُسکے فیضِ صحبت سے جو تھوڑا بہت فائدہ متصور ہوتا تھا اُس کا دروازہ بند ہو جائے جب وہ بدقسمتی سے گناہ کر بیٹھتا ہے تو پھر اُسکی (شیطان کی) کوشش یہ ہوتی ہے کہ اُسکو لوگوں میں شہرت دے۔ اور طبقہ عوام میں ایسے اشخاص کی کمی نہیں ہوتی جو ابلیس کے نائب بن کر اُس عالم کی اس لغزش کو مشہور کرتے پھرتے ہیں اور بزعم خود اُسکو ایک ثواب کا کام سمجھتے ہیں، ایسے اشخاص کو میں نے ابلیس کا نائب اسلیئے کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ط (۲۴ : ۱۹)	جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں کی بُری بات مشہور ہو جائے اُن کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

اب تم خود سمجھ سکتے ہو کہ جب اُن لوگوں کے لیئے یہ وعید ہے جو اس بات کو پسند کرتے ہیں

کہ مومنوں کی کوئی بری بات مشہور ہو جائے تو وہ اشخاص کیوں نہ ابلیس کے نائب متصور کیے جائیں جو مومنوں کی بری بات مشہور کرنے میں پیش از پیش رہتے ہیں اور اس کے علمبردار ہوتے ہیں، اور یہ تم یاد رکھو کہ اس عالم مقتدا کا گناہ خواہ کتنا بڑا ہو ان لوگوں کے گناہ کے مقابلہ میں کم ہوگا کیوں کہ اُس کا اپنے نفس پر ظلم ہے جس سے اگر وہ تائب ہو جائے اور خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرکے اُس کی بابت مغفرت طلب کرے[2] تو اللہ تعالیٰ اُس کی توبہ قبول فرما کر اپنے سچے وعدے کے مطابق اُس کی برائیوں کو نیکیوں کے ساتھ تبدیل کر دے گا۔ لیکن ان لوگوں کے گناہ کی کچھ اور نوعیت ہے کیوں کہ یہ ایک ایمان دار بندے پر ظلم ہے اور ایک مسلم بلکہ عالم دین کی عیب جوئی اور اس کی فضیحت کرنا ہے[1] اور گو بظاہر اس عیب جوئی اور ارادہ فضیحت کو تاویلوں کے زور سے خیر خواہی مسلمانان یا کسی دوسری نیکی کی صورت میں ظاہر کیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ سینوں کے راز اور نفس کی پوشیدہ خباثتوں سے واقف ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ

صغائر

(۴۴) لیکن اگر شیطان کو اس کوشش میں بھی مایوسی حاصل ہو اور وہ کبیرہ کے ارتکاب پر کسی کو مائل نہ کر سکے تو وہ صغائر کے کرا لینے پر اکتفا کرتا ہے کیوں کہ صغائر بھی جمع ہو کر کبیرہ کی طرح انسان کی ہلاکت کا باعث ہو سکتے ہیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "حقیر گناہوں سے اپنے آپ کو بچاؤ کیوں کہ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی قوم بیابان میں اُتر پڑے اور ہر ایک ان میں سے جا کر جنگل سے ایک لکڑی کا ٹکڑا اٹھا لائے۔ یہ ٹکڑے جمع ہو کر ایک بڑی آگ مشتعل کی

---

[1] اور ایک عالم سے اس بات کی توقع رکھنا غیر اغلب نہیں۔ مترجم

[2] علاوہ ازیں اس صورت میں توبہ کا صدور بھی ان سے بعید ہے کیونکہ وہ اس فعل کو ایک نیکی خیال کرتے ہیں (مترجم)

جا سکتی ہے جیسے روٹی پکا سکتے اور کباب بھون سکتے ہیں (یہ حدیث بالمعنی روایت کی گئی ہے اور حدیث کے ٹھیک الفاظ راوی کو یاد نہیں رہے)۔

صغائر کے ارتکاب میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ مرتکب ان کو بہت ہلکا اور ناقابلِ اعتنا سمجھ کر ان کا ارتکاب کرتا ہے لیکن کسی کبیرہ گناہ کا کرنے والا جو اپنی عاقبت کی بابت ہراساں ہے اِس سے بہت بہتر ہے جو صغائر کو حقیر سمجھکر اُن کا ارتکاب کرتا ہو۔

مباحات

(۵) پانچواں شر شیطان کا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص صغائر کا بھی ارتکاب نہیں کرتا ہے تو وہ اسکو ایسے مباحات[1] میں مشغول کر دیتا ہے جس میں مشغول رہ کر انسان ثواب کے کاموں سے محروم رہتا ہے اور جن کا ثواب باوجود قدرت کے کھو بیٹھتا نقصان عظیم ہے، شیطان کو اس سے بھی خوشی ہوتی ہے کہ وہ کسی کو ثواب اور درجات کے حاصل کرنے سے محروم کر دے۔ لیکن اگر کوئی صاحبِ بصیرت شخص اپنے وقتِ عزیز کا اسقدر خیال رکھتا ہے کہ اُسکو مُباحات میں بھی ضائع نہیں کرتا اور سمجھتا ہے کہ اس کا ایک ایک لمحہ اگر کسی نیک کام میں صرف کیا جائے تو اس سے ملکِ ابد کے درجات عالیہ خریدے جا سکتے ہیں تو ایسے شخص کے ساتھ شیطان ایک اور داؤ کھیلتا ہے اور وہ یہ کہ

افضل عمل سے باز رکھنا

(۶) اُسکو کسی افضل عمل سے باز رکھکر عملِ مفضول[2] میں مشغول کر دیتا ہے تاکہ اُن کو کم از کم ثواب کی زیادتی سے محروم کر دے، یہ ایک ایسا دامِ فریب ہی جس کا پول اکثر دں پر نہیں کھُلتا اور بڑے بڑے عابد اسمیں گر پڑتے ہیں کیوں کہ جب ایک شخص اپنے دل میں کسی نیکی اور کارِ ثواب کے کرنے کی رغبت پاتا ہے تو اُسے گمان تک نہیں ہوتا کہ اسکا محرک اور ترغیب دہندہ شیطان ہے لیکن حقیقت اسکے برعکس ہوتی ہے اور شیطان اُس کو

---

[1] مباحات وہ ہیں جن کے کرنے نہ کرنے میں ثواب عذاب نہیں۔ مترجم [2] ایسے عمل ہیں جو پہلے کے مقابلہ میں کمتر ثواب کا موجب ہے۔ مترجم

کسی نیکی کرنے کی اسلئے ترغیب دیتا ہے کہ اسکو اس سے بہتر نیکی سے مانع ہو جس کے کرنے سے اسکو بہت زیادہ ثواب حاصل ہو سکتا تھا۔

عموماً سادہ لوح مومن کی سمجھ سے یہ بات بالاتر ہوتی ہے کہ شیطان بھی انسان کو نیکی پر مائل کر سکتا ہے، وہ اس قسم کی تحریک اور خواہش کو من جانب اللہ تعالیٰ خیال کرتا ہے اور یہ نہیں سمجھتا کہ شیطان لعین بعض اوقات ایک چھوڑ ستر نیکیوں کے کرنے کی ترغیب دیتا ہے جس سے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یا تو وہ شخص کسی شر میں مبتلا ہو (اور وہ ستر نیکیاں صرف کسی شر میں مبتلا کرنے کا ذریعہ ہوتی ہیں) یا کسی ایسی بڑی نیکی سے اسکو محروم کر دے جو تنہا ان ستر نیکیوں سے زیادہ ثواب اور درجات کا موجب ہے۔

شیطان کی ان دقیق مکاریوں کو وہی شخص پہچان سکتا ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص ہدایت کا نور رکھا۔ یا ہو جو اس شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جو خاص سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا پابند ہو اور بدعت سے سخت اجتناب کرتا ہو، اور اس بات کی ٹوہ میں لگا رہے کہ کونسا عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور اس کے رسول ؐ کی نظر میں زیادہ محبوب ہے لیکن اکثر لوگ اس مرتبہ سے محجوب ہیں: وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ (۵۷: ۲۱)

الغرض جب شیطان ان تمام شرور میں سے کسی میں بھی آدمی کو مبتلا نہ کر سکے تو پھر وہ اپنی جماعت کے لوگوں انس و جن کو اسکی ایذا اور تکلیف دہی پر آمادہ کرتا ہے یہ لوگ اسکو کافر اور گمراہ اور اسی قسم کے دیگر القاب سے یاد کرتے اور دوسروں کو اس سے متنفر کرتے ہیں جس سے اس لعین کا مطلب اسکو تشویش میں ڈالنا ہوتا ہے، تاکہ اس کے قوائے فکریہ انکے بیجا اتہامات اور ضرر رسانی کے دفع پر متوجہ ہوں۔ جتنا وہ اس پر متوجہ ہو گا اتنا وہ خدائے تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو گا اور جلیل القدر نیکیوں کے کرنے پر وہ کم توجہ مبذول کر سکے گا۔

علاوہ ازیں دوسرے لوگ جو بصورتِ دیگر اُسکے علم اور اُسکے اسوۂ حسنہ سے عظیم فوائد حاصل کرتے اُس کے فیضِ صحبت سے محروم رہتے ہیں۔

شیطان کی رسائی

قارئین کرام! یہ ایک عظیم النفع باب ہے اِسکے مضمون کو اچھی طرح اپنے ذہن میں نقش کرلو: یُوَسْوِسُ فِیْ قُلُوْبِ النَّاسِ کے بجائے یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ کہنے میں یہ نکتہ ہے کہ شیطان کی رسائی اصل دل تک نہیں ہوسکتی بلکہ صرف انسان کے سینے میں جو قلب کے لیے بمنزلہ دہلیز کے ہے داخل ہوکر وسوسہ ڈالنے اور انسان کے ارادہ میں اپنی مرضی کے مطابق تبدیلی کرنے میں کوشش کرتا ہے۔ یہ معلوم کرکے مومن کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور وہ اسکے شر کو دفع کرنے پر دلیر ہوتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے قصے میں ارشاد ہوا ہے:

فَوَسْوَسَ اِلَیْهِ الشَّیْطٰنُ الخ (۲۰: ۱۲۰) | شیطان نے اُسکی طرف وسوسہ ڈالا۔

اِلیٰ کے استعمال کرنے میں بھی یہی نکتہ ہے کہ شیطان نے اپنا وسوسہ کسی قدر دُور سے اُسکے دل میں ڈالا۔

فصل ہشتم

تفسیر مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاس

مفسرین کا اختلاف

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ کے متعلق مفسروں نے اختلاف کیا ہے، ایک جماعت مفسرین کا یہ قول ہے کہ مِنْ بیانیہ ہے اور اسکا تعلق لفظ النَّاس کے ساتھ ہے جو صُدُوْر کا مضاف الیہ واقع ہوا ہے، اس قول کے موافق آیۂ کریمہ کے یہ معنی ہیں کہ

وسوسہ ڈالنے والا شیطان دو قسم کے لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے: جن اور انسان۔ بالفاظِ دیگر وہ شیطان جو جنّوں کی قوم سے ہو، جنّیوں کے اور آدمیوں کے سینہ میں بُرے خیالات کا القاء کرتا ہے، لیکن یہ قول کئی وجود سے ضعیف ہے:

(۱) ایک تو یہ کہ اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ شیطان جنّیوں کے سینہ میں بھی اسی طرح نفوذ کرتا ہے جس طرح وہ بنی آدم کے سینہ[1] میں کرتا ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ لفظ کے لحاظ سے بھی یہ ترکیب درست نہیں کیونکہ اس قول کے بموجب النَّاس کا بیان الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ واقع ہوا ہے جس کے یہ معنی ہوئے کہ "وہ شیطان جو لوگوں کے سینہ میں وسوسہ ڈالتا ہے یعنی جن اور لوگوں کے سینہ میں"

کیا اس عبارت کو تم فصیح کہہ سکتے ہو؟ ہرگز نہیں۔

(۳) تیسرے یہ کہ اسکے یہ معنی ہوئے کہ لوگوں کی دو قسمیں ہیں: ایک جن اور دوسرے لوگ، اس قسم کی تقسیم بالکل درست نہیں، اسکو کہتے ہیں تقسیم الشیٔ إلی نفسه والی غیرہ۔ اسکے معنی بعینہ یہ ہوئے کہ انسان کی دو قسمیں ہیں: انسان اور غیر انسان، کیونکہ جن یقیناً انسان نہیں بلکہ اس کا مدِ مقابل ہے اور اس کا مادہ اشتقاق بھی یہی ظاہر کرتا ہے۔ ج، ن، ن کا مادہ جس لفظ میں پایا جائے اُس میں پوشیدگی کے معنی ملحوظ ہونگے اور جن کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے کہ وہ آنکھوں سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ برخلاف اسکے الناس اور انسان کا مادہ۔ ا، ن، س ہے جس میں دیکھنے کے معنی پائے جاتے ہیں۔

کلام پاک میں ہے:

آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ (۲۸: ۲۹)	کوہ طور کی جانب سے اُسکو آگ نظر آئی۔
فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا (۴: ۶)	اگر تم دیکھو کہ ان میں معاملہ فہمی کی صفت پیدا ہو گئی ہے

انسان کو اس لیئے انسان کہتے ہیں کہ وہ آنکھوں سے دیکھا اور محسوس کیا جاتا ہے۔

---

[1] یعنی کسی دوسری آیت یا حدیث صحیح میں اسکی تصریح نہیں پائی جاتی۔ (مترجم)

انسان کو نسیان سے مشتق سمجھنا جیسے کہ بعض کا خیال ہے بالکل غلط ہے اور اسکی ایک سادہ مگر زبردست دلیل یہ ہے کہ چاہے اسکے الف نون کو زائدہ سمجھا جائے یا اصلی کسی صورت میں بھی اسکا مادہ ن، س، ی نہیں ہو سکتا جو نسیان کا مادہ ہے اسلیئے اس کو نسیان سے مشتق سمجھنا بداہت کے خلاف ہے۔

جن و انس کی بحث کا فیصلہ

مفسرین کے اس اختلاف کے بعد معلوم ہوا کہ جن و انسان دو متقابل چیزیں ہیں اور ان کے مادہ اشتقاق سے صریحاً ثابت ہوتا ہے کہ ان کے معنی میں تضاد ہے اور اسلیئے جن اور انسان دونوں کو الناس اور انسان کی قسم خیال کرنا نہایت نامعقول ہے۔ کیا انسان کی دو قسمیں ٹھیرانا انسان اور غیر انسان، عقل کے ساتھ کھلی دشمنی نہیں؟ تم کہہ سکتے ہو کہ آیت کریمہ میں النّاس کا لفظ استعمال ہوا ہے، لیکن صحیح ترین قول یہ ہے، کہ اسکی اصل اُناس ہے (جو انسان کی جمع ہے) کثرت استعمال و تخفیف کیلئے بغیر ہمزہ کے استعمال ہونے لگا۔ اس صورت میں قطعاً اس کا مادہ ا، ن، س ہے جو بعینہ انسان کا مادہ ہے لیکن اگر اسکی اصل اُناس نہ فرض کی جائے (جو بہت بعید ہے) اور اس کو ایک مستقل لفظ مانا جائے تب بھی اسکا اطلاق بنی آدم پر ہوتا ہے اور جن اسکے مفہوم میں ہرگز داخل نہیں۔ جن لوگوں کا خیال ہے کہ النّاس کے مفہوم میں انسان اور جن دونو داخل ہیں اور اسلیئے وہ آیت کریمہ میں پہلے النّاس کو عام اور دوسرے کو بنی آدم کے لیئے مخصوص سمجھتے ہیں، اور اس بنا پر وہ خیال کرتے ہیں کہ النّاس کی تقسیم جن اور انسان کیطرف درست ہے، اُن کی غلط فہمی کی اصلیت یہ ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت میں کہ:

وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ۔ (۷۲ : ۶)	بیشک بنی آدم کے چند اشخاص جنّیوں کے چند اشخاص کے ساتھ پناہ لیتے تھے۔

جنّیوں پر رجال کا اطلاق ہوا ہے جو اُن کے خیال میں النّاس کے مرادف ہے۔ اس

غلط فہمی کا ازالہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں رجال کا لفظ جنیوں کے لیے بطور مطلق کے استعمال نہیں ہوا بلکہ مقید بطور پر استعمال ہوا ہے یعنی رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ کے مقابلہ میں رِجَالٌ مِّنَ الْجِنِّ ۔ کا لفظ استعمال ہوا ہے ۔

سیاق کلام

اس کی مثال یہ ہے کہ پتھر یا لکڑی کی مورت کو ہم کہہ سکتے ہیں کہ هٰذَا اِنْسَانٌ مِّنَ الْحِجَارَةِ یا رَجُلٌ مِّنَ الْخَشَبِ ۔ لیکن بغیر اضافت اور تقیید کے اس پر انسان یا رجل کا لفظ نہیں بول سکتے ، نیز سیاق کلام سے صاف واضح ہے کہ اَلْجِنَّةِ وَالنَّاسِ دو مقابلے کے لفظ ہیں اسلئے دونوں پر الناس کا لفظ کس طرح مشتمل ہو سکتا ہے ؟

برخلاف اسکے الرجال اور الجن کا لفظ مقابلے کے طور پر استعمال نہیں ہوتے بلکہ ان کی بجائے الجن والانس کہا کرتے ہیں ۔ بہرحال یہ قول کہ من الجنة والناس میں مِن بیانیہ کا تعلق النّاس کے ساتھ ہے جو صدور کا مضاف الیہ واقع ہوا ہے نہایت ضعیف اور مرجوح قول ہے ۔

اسکے مقابلہ میں ایک دوسری جماعت مفسرین کی یہ کہتی ہے کہ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ کا لفظ اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ کا بیان واقع ہوا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ وسوسہ ڈالنے کا کام دونوں قسم کے شیطان انجام دیتے ہیں ۔ وہ شیطان جو جنیوں کی قوم سے ہی اور وہ شیطان جو نوع انسانی کا ایک فرد ہے ، یہ دونوں قسم کے شیطان دل میں برے خیالات پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں۔ اگرچہ انسانی شیطان کا القاء کان کے ذریعہ سے ہوتا ہے کیونکہ اسکی بات حرف اور صوت سے ہوتی ہے جس کا تعلق قوت سامعہ کے ساتھ ہے اور جنی شیطان کو اس ذریعہ کی ضرورت نہیں وہ براہ راست دل میں القاء کرتا ہے کیونکہ اسکو انسان کے باطن میں نفوذ حاصل ہے اور وہ اسکے رگ و پے میں سرایت

۱؎ شریر انسان پر شیطان کا اطلاق کلام مجید کا عام محاورہ ہے ۔ (مترجم)

کیے ہوتے ہیں جیسے کہ اس سے پہلے اسکے ثبوت میں حدیث صحیح کا حوالہ دیا گیا ہے البتہ بعض اوقات جنی شیطان بھی کسی آدمی کی شکل میں متمثل ہو کر کان کے ذریعے انسان کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے، چنانچہ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں جو کاہنوں کے بارے میں وارد ہوئی ہے مفصل ذکر ہے۔

الغرض اس دوسرے قول کا ملخص یہ ہے کہ: اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ کی دو قسمیں ہیں جن اور انسان۔ اور یہ دونوں انسان کے دل میں وسوسہ ڈالنے اور شر کے ظہور میں آنے کا باعث ہوتے ہیں۔

اسکی تائید ایک دوسری آیت سے ہوتی ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۚ (۶: ۱۱۲)	اسی طرح ہم نے ہر ایک پیغمبر کیلئے انسان اور جن کی نوع سے شیطانوں کو اس کا دشمن بنایا جو ایک دوسرے کی طرف ایسی باتوں کا القا کرتے ہیں جو بظاہر ملمع اور حقیقت میں دھوکا اور فریب ہوتی ہیں۔

اور اسلئے یہ دوسرا قول قابل ترجیح ہے اور اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

علاوہ ازیں پہلے قول کے بموجب اس سورۃ میں صرف شیاطین الجن کے شر سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے لیکن دوسرے قول کی بنا پر دونوں قسم کے شیاطین جن اور انسان کے شر سے پناہ طلب کی گئی ہے، لہذا استعاذہ کی جامعیت کیلئے یہی قول زیادہ موزوں ہے: واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ احکم۔

فصل نہم ۹

شیطان کے شر کا دفعیہ

اسباب بچاؤ

شیطان کے شر سے بچنے کے دس سبب ہیں۔

پہلا سبب: استعاذہ باللہ

(۱) یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسکے شر سے پناہ مانگی جائے۔ قال اللہ تعالیٰ:

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (۴۱: ۳۶)

اگر تم کو شیطان کوئی شر پہنچانا چاہے اور تم کو چھیڑ دے تو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسکے شر سے پناہ لو بیشک وہی ہے سننے والا جاننے والا۔

اس سے پہلے کسی مقام پر تم کو بتایا جا چکا ہے کہ سننے سے مراد قبول کرنا ہے۔

علم بیان کے واقف جانتے ہیں کہ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ نہایت ہی مؤکد جملہ ہے، چوں کہ اس سے پہلے اس بات کی تلقین کی گئی ہے کہ تم اپنے دشمن کے ساتھ ایسی نیکی کرو جس سے بہتر نہیں ہو سکتی اور چوں کہ اس پر عمل کرنا نفس پر نہایت شاق گزرتا ہے کیوں کہ شیطان اُسکے سامنے یہ بات لاتا ہے کہ ایسا کرنا ذلت کی دلیل ہے اور اس سے تمہارے دشمن کو ایذا دہی کی مزید جرأت نہ ہوگی، اسلئے سب سے بہتر تو یہی ہے کہ اُس سے اپنا پورا بدلہ لے لو، یا زیادہ سے زیادہ اسکی تعدّی سے درگزر کر لو، لیکن اسکے ساتھ نیکی کرکے دشمن کے سامنے اپنے آپ کو عاجز ثابت کرنا اور ذلیل بنانا کچھ شک نہیں کہ موت کے برابر بلکہ اس سے بدتر ہے۔

الغرض نفس پر یہ نہایت سخت گزرتی ہے اسلئے تقاضائے مقام کی وجہ سے اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ کے جملہ کو نہایت مؤکد شکل میں استعمال کیا گیا، لیکن ایک دوسرے مقام پر اسی جملہ کو اپنی سادہ شکل میں استعمال کیا گیا ہے، سورۂ اعراف میں ہے: وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (۷: ۲۰۰) اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ جاہلوں سے درگزر کریں

اور چونکہ اس پر عمل کرنا پہلے کی طرح شاق نہیں اسلیے اس جملہ کی تاکید ضروری نہیں سمجھی گئی

الغرض شیطان کے شر سے بچنے کا پہلا سبب استعاذہ باللہ ہے جس کی بابت ان آیتوں میں ارشاد ہے، نیز صحیح بخاری میں سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے کہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں تھا کہ اتنے میں دو شخصوں نے ایک دوسرے کو گالیاں دیں اور ایک کا چہرہ سرخ ہو کر گردن کی رگیں پھول گئیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک کلمہ جانتا ہوں اگر وہ کلمہ کہدے تو یہ حالت اسکی زائل ہوجائے گی وہ کلمہ یہ ہے: أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

دوسرا سبب: استعاذہ بالمعوذتین

(۲) یہ کہ ان دونوں سورتوں (سورۃ فلق اور سورۃ ناس) کے پڑھنے پر مداومت کرے۔ شیطان کے شر سے محفوظ رہنے میں ان سورتوں کے ذریعہ سے استعاذہ کرنا حیرت انگیز طور پر موثر ہوتا ہے، اور اسی لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بابت فرمایا ہے کہ استعاذہ میں کوئی ان کے برابر نہیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ ہر رات سوتے وقت ان سورتوں کو پڑھتے تھے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو آپ نے حکم دیا تھا کہ ان کو ہر نماز کے پیچھے پڑھا کرے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی منقول ہے کہ اگر ہر صبح و شام کوئی سورہ اخلاص اور ان سورتوں کو پڑھا کرے تو وہ ہر طرح کی آفت اور شر سے بچا رہیگا۔

تیسرا سبب: آیت الکرسی کا ورد

(۳) یہ کہ آیت الکرسی کو اپنا ورد بنالے، صحیح بخاری میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو صدقہ کی حفاظت پر مامور فرمایا ایک رات ایک شخص نے آکر اس اناج کے ڈھیر سے مٹھیاں بھرنا شروع کیا اور جب میں نے اسکو پکڑ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جانا چاہا تو اس نے منت سماجت

شروع کی اور وعدہ کیا کہ پھر نہیں آؤنگا، اسپر میں نے اُسکو چھوڑ دیا۔ دوسری اور تیسری رات ایسا ہی واقعہ پیش آیا اور تیسری رات اُس نے مجھ سے کہا کہ اگر تم مجھ کو چھوڑ دو تو میں تم کو ایک عمل سکھا دونگا۔ چونکہ صحابہ کرام نیکی کرنے اور ثواب حاصل کرنے پر سخت حریص تھے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس شرط پر اُسکو چھوڑ دیا اور اُس نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جب تم سونے لگو تو آیت الکرسی پڑھ لو، رات بھر اللہ تعالے کیطرف سے نگہبان ہوگا اور صبح تک کوئی شیطان تمہارے نزدیک نہیں آئے گا۔ جب اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اُسکا یہ قول نقل کیا تو آپ نے فرمایا "اُس نے سچ کہا اگرچہ وہ جھوٹا ہے"۔ اور اگر خدا نے چاہا تو ہم ایک مستقل مضمون میں یہ راز بیان کرینگے کہ آیت الکرسی میں کیوں خصوصیت سے یہ تاثیر عظیم رکھی گئی ہے اور اسکے دوسرے اسرار بھی بیان کریں گے۔

چوتھا سبب: سورہ بقرہ کا ورد

(۴) سورۃ البقرہ کا پڑھنا۔ صحیح بخاری میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، اپنے گھروں کو قبریں مت بناؤ، اور بے شک جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے اُس میں کوئی شیطان داخل نہیں ہوسکتا

پانچواں سبب: سورہ بقرہ کے خاتمہ کی آیات

(۵) سورۂ بقرہ کے خاتمہ کی آیتیں اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ پڑھنا۔ صحیح بخاری میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ "جو شخص کسی رات میں سورہ بقرہ کے خاتمہ کی دو آیتیں پڑھ لے تو وہ اُسکے لیے کافی ہیں"۔ ترمذی میں نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایک حدیث ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پیدا کرنے سے دو ہزار سال پیشتر ایک کتاب لکھی ہے جس میں سورہ بقرہ کے خاتمہ کی

وہ آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ اگر ان کو کسی گھر میں تین رات تک متواتر پڑھا جائے تو شیطان اس گھر کے قریب نہیں آئیگا۔

چھٹا سبب: سورۂ حٰم المؤمن کی ابتدائی آیات

(۶) سورۂ حٰم المؤمن کی ابتدائی آیتیں اِلَیْہِ الْمَصِیْرُ تک آیت الکرسی کے ساتھ ملاکر پڑھنا، ترمذی میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ جو کوئی ان آیتوں کو صبح کے وقت پڑھے گا وہ شام تک شیطان کے شر سے محفوظ رہیگا اور جو کوئی ان کو شام کے وقت پڑھے گا وہ صبح تک محفوظ رہے گا۔" اس حدیث کے راویوں کے حفظ کے متعلق علماء نے بحث کی ہے لیکن اسکی تائید کے لیے آیت الکرسی کی فضیلت میں دوسری روایتیں موجود ہیں۔

ساتواں سبب: مسنون وظیفہ

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ سو مرتبہ پڑھنا، صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جو شخص ان کلمات کو دن میں سو مرتبہ کہیگا اسکو دس غلاموں کے آزاد کرنے کا ثواب ملیگا، اسکے لیے سو نیکیاں لکھی جائیں گی اور سو برائیاں اسکے نامۂ اعمال سے مٹا دی جائینگی اور دن بھر وہ شیطان کے شر سے امن میں رہیگا۔ اور کسی شخص کو اسکے برابر ثواب نہیں ملیگا، ہاں یہ اور بات ہے کہ کوئی اس سے زیادہ پڑھے۔ یہ ایک عظیم النفع اور جلیل القدر ذکر ہے اور جس کی اللہ تعالیٰ مدد فرمائے اس کے لیے اسکی پابندی کرنا چنداں دشوار نہیں۔

آٹھواں سبب: ذکر الٰہی

(۸) کثرت سے اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہنا شیطان کا شر دفع کرنے کے لئے مفید ترین حرز جان ہے، ترمذی میں بروایت حارث اشعری آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث منقول ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کو پانچ باتوں کے بجالانے کا حکم دیا اور یہ کہ بنی اسرائیل کو بھی انکے بجالانے کا حکم دے، حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اس حکم کی تعمیل اور تبلیغ میں کسیقدر تساہل کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اس کو یاد دہانی کرے اور کہدے کہ یا تو وہ خود اس حکم کی تبلیغ کرے اور وہ پھر بھی سہل انگاری کرے تو عیسےٰ علیہ السلام اس کی تبلیغ کردے! یحییٰ علیہ السلام نے اسکے جواب میں کہا کہ میں اسکی تبلیغ کردوں گا کیونکہ اگر تم نے مجھ سے پیشدستی کی تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ ناراض ہوکر مجھ کو زمین میں نہ دھنسا دے یا کسی اور عذاب میں مبتلا نہ کردے۔ چنانچہ اُس نے بیت المقدس میں لوگوں کو جمع کیا یہانتک کہ وہاں تل دھرنے کی جگہ نہ رہی اور گیلریاں تک بھر گئیں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے انکو اسی طرح مخاطب کیا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے پانچ باتوں کے بجالانے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ میں تم سب کو انکے بجالانے کا حکم دوں۔

حضرت یحییٰ کی یادگار نصیحت

سب سے [1] پہلے یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اسکی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ بناؤ، شرک کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے خالص اپنے مال سے سونا چاندی دیکر ایک غلام خریدا، اسکو رہنے کیلئے مکان دیا اور کام بھی اسکو بتا دیا اور ساتھ ہی اُس سے یہ کہا کہ یہ کام کیئے جاؤ اور اس سے جو کچھ حاصل ہو وہ مجھ کو ادا کرتے رہو۔ چنانچہ وہ غلام کماتا تھا اور اپنی کمائی ایک دوسرے اجنبی شخص کے

حوالہ کرتا جاتا تھا کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے غلام کے اس کام پر خوش ہوگا؟

نماز پڑھو

۲۔ تم نماز پڑھو اور نماز پڑھتے وقت اِدھر اُدھر مت دیکھو کیوں کہ جب تک آدمی کسی دوسری طرف ملتفت نہ ہو اللہ تعالیٰ اُسکے منہ کے سامنے رہتا ہے۔

روزہ رکھو

۳۔ روزہ رکھو، اِسکی مثال ایک ایسے شخص کی ہے جس کے پاس مشک کی بھری ہوئی تھیلی ہو اور اُسکے اردگرد ایک جماعت اس کے دوستوں کی موجود ہو جن کے دماغ اُسکی خوشبو سے معطر ہوتے جا رہے ہوں۔ سب لوگ ایسے شخص کی ہم نشینی کو پسند کرینگے؟ اور بے شک روزہ دار کے منہ کی خوشبو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے بھی زیادہ خوشبودار ہے۔

صدقہ دو

۴۔ صدقہ دو، اس کی مثال ایک ایسے آدمی کی ہے جسکو اُسکے دشمنوں نے قید کر لیا ہو اور وہ اسکی مشکیں کس کر اُسکو قتل کرنا چاہتے ہوں اور وہ کہدے کہ میں اپنا مال تم کو فدیہ دینا چاہتا ہوں اس پر وہ فدیہ لیکر اُسکے بند کھولدیں۔

اللہ کی یاد میں مشغول

۵۔ اللہ تعالےٰ کی یاد میں مشغول رہا کرو، اِسکی مثال ایک ایسے شخص کی ہے جس کا اُسکے دشمن نہایت تیزی کے ساتھ تعاقب کر رہے ہیں اتنے میں اس کو ایک نہایت مضبوط قلعہ نظر آجاۓ اور وہ اُسمیں داخل ہو کر پناہ گزیں ہو جاۓ ایسی طرح اللہ تعالیٰ کا ذکر ایک ایسی چیز ہے جو تم کو شیطان کے شر سے بچالے گی۔

رسول اکرمؐ کی نصیحت

یہ بیان کرکے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور میں بھی تم کو پانچ باتوں

کے بجالانے کا حکم دیتا ہوں جن کی بابت مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ سُننا اور ماننا جہاد اور ہجرت۔ اور مسلمانوں کی جماعت کو نہ چھوڑنا کیونکہ جو شخص مسلمانوں کی جماعت سے ایک بالشت بھر بھی جدا ہو جائے وہ اسلام کے دائرے سے باہر نکل جاتا ہے جب تک باز نہ آجائے۔ اور جو شخص اہلِ جاہلیت کی فخر و تعلّی کرے وہ جہنم کا ایندھن ہوگا" ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! چاہے وہ نماز پڑھتا اور روزہ رکھتا ہو؟ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چاہے وہ نماز پڑھتا اور روزہ رکھتا ہو۔ تم کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ لقب پکارتے رہو جس نے تم کو مسلمان اور مومن اور اپنے بندہ کے نام سے موسوم کیا ہے" بقول ترمذی یہ حدیث صحیح اور حسن[1] ہے۔ اور بقول صحیح بخاری کے مصنف کے حارث اشعری کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا فخر حاصل ہے۔

الغرض اس حدیث میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی ایک ایسی چیز ہے جو شیطان کے شر سے انسان کو بچا سکتا ہے۔ سورۃ ناس میں بعینہ اسی بات کی طرف اشارہ ہے کیوں کہ اس میں شیطان کو خناس کے لفظ سے موصوف کیا گیا ہے جس کے معنی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جب انسان خدا کو یاد کرتا ہے اور اُس کے ذکر میں مشغول ہوتا ہے تو وہ پیچھے کی طرف ہٹ جاتا بلکہ چھپ جاتا ہے لیکن جب وہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے تو وہ پھر دل کے قریب پہنچ کر وسوسے ڈالنا شروع کر دیتا ہے، اور تم پڑھ چکے ہو کہ شیطان کا وسوسہ ہی تمام بے فرمانیوں اور گناہوں کی جڑ ہے۔ بہرحال شیطان کے شر سے بچنے کیلئے اس سے بہتر نسخہ نہیں کہ انسان اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رکھے۔

نواں سبب: غصہ کو ضبط کرنا

(۹) شیطان کے شر سے بچنے کا ایک ذریعہ وضو اور نماز ہے خصوصاً جب قوت

---

[1] ترمذی کی اصطلاح میں حسن اس حدیث کو کہتے ہیں جو مختلف اسنادوں سے مروی ہو اور وہ ایک دوسرے کی تائید کریں۔ مترجم

غضبیہ یا شہوت کا شدت سے ظہور ہو۔ غضب بمنزلہ آگ کے ایک شعلہ کے ہے جو انسان کے دل میں بھڑک اُٹھتا ہے۔

ترمذی میں بروایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ بے شک غصہ انسان کے دل میں آگ کا ایک شعلہ ہے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ غصہ کی حالت میں اُسکی آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں اور گردن کی رگیں پھول جاتی ہیں۔ اسلیے جو کوئی غصہ کی حالت کو محسوس کرے اُسکو زمین کے ساتھ چمٹ جانا چاہیے۔" ایک دوسری حدیث میں ہے کہ شیطان کی پیدائش آگ سے ہے اور بیشک آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے۔" وضو پانی کے استعمال کا بہترین طریقہ ہے اور وہ غصہ کے جوش کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔

اسکے بعد اگر آدمی خشوع وخضوع اور حضور قلب کے ساتھ نماز پڑھے تو اس کا اثر بالکل زائل ہو جاتا ہے اور بجائے اسکے کہ اسکی تائید میں کوئی دلیل ڈھونڈھی جائے اُسکا تجربہ کرنا بہتر ہوگا۔

دسواں سبب: فضول ولغو سے احتراز

(۱۰) بے ضرورت اور فضول دیکھنے، بے ضرورت بات کرنے، ضرورت سے زائد کھانے اور لوگوں کے ساتھ زائد میل جول رکھنے سے بچنا۔ کیوں کہ انھی چاروں میں بے احتیاطی کرنے کا نتیجہ شیطان کا تسلط ہوتا ہے اور شیطان اپنے اغراض میں انہی کے ذریعے سے کامیاب ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی نظر کو آزادانہ استعمال کرے تو بہت ممکن ہے کہ کوئی قبول صورت عورت یا لونڈا اُسکے دل میں گھر کرلے اور رفتہ رفتہ اُسکے قوائے فکریہ اور توجہ کا مرکز بن جائے اور دین و دنیا کے کام سے اُسکو بے کار کر دے۔ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ۔

نظر کو بے لگام چھوڑنے سے بڑے بڑے فتنے پیدا ہوئے ہیں اور آں حضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول تجربہ سے نہایت درست معلوم ہونے لگتا ہے کہ نظر شیطان کا ایک زہر آلود تیر ہے اسلئے جو شخص اپنی آنکھوں کو جھکائے رکھیگا اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایک ایسی علامت پیدا کرے گا جس سے وہ قیامت تک محروم نہیں ہوگا"

ایک شاعر نہایت خوب کہا ہے ؎

کل الحوادث مبدأها من النظر ومعظم النار من مستصغر الشرر

کم نظرة فتکت فی قلب صاحبها فتک السهام بلا قوس ولا وتر

توجمہ: تمام فتنوں کی ابتدا نظر سے ہوتی ہے (اس سے مراد عشق اور وصل ہجر کے مناظر ہیں) اور چھوٹی چھوٹی چنگاریوں سے عظیم الشان آگ بھڑک اٹھتی ہے (بجا طور پر نظر کو چنگاری سے اور مابعد کے مراحل عشق اور اسکے لوازم و حوادث کو بھڑکتی ہوئی آگ سے تشبیہ دی ہے) بہت مرتبہ نظر دل کی ہلاکت کا باعث ہوئی ہے لیکن اس کا مہلک تیر کمان اور چلہ کا محتاج نہیں"

(درون سینہ من زخمے بے نشاں زدہ ✦ بحیرتم کہ عجب تیر بے کماں زدہ)

الغرض فضول اور بے ضرورت نظر بلا و آشوب کی جڑ اور بعض صورتوں میں دین و دنیا کی تباہی کا موجب ہوتی ہے۔

اسی طرح کثرت کلام اور بے ضرورت بکواس شر کے لیئے متعدد دروازے کھول دیتا ہے جس میں سے شیطان کو داخل ہونے کا موقع ملتا ہے۔ لیکن کم گوئی اسکے تمام مداخل کو بند کر دیتی ہے، تم نے دیکھا ہوگا کہ ایک ہی کلمہ کے بے احتیاطی کے ساتھ منہ سے نکل جانے پر خونریز لڑائیوں تک نوبت پہنچی ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو زبان کے روکے رکھنے کی ہدایت فرما کر یہ ارشاد فرمایا تھا کہ لوگوں کو منہ کے بل دوزخ میں گرانے کا باعث انکی اپنی زبان کی کاٹی ہوئی فصل ہے۔

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ بعض اوقات انسان بے ساختہ اپنے منہ سے کوئی

کلمہ نکال دیتا ہے اسکے انجام کی وہ چنداں پروا نہیں کرتا اور اسکے سبب سے وہ ستر سال تک جہنم میں غوطے کھاتا رہتا ہے۔

ترمذی میں ہے کہ صحابہ میں سے ایک شخص کا انتقال ہوا تو ایک صحابی نے اسکو جنتی کہا جس پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہیں کیا علم ہے شاید اُس نے کبھی فضول گوئی کی ہو یا کسی ایسی چیز کے دینے میں بخل کیا ہو جسکے دینے میں اسکا کچھ نقصان نہیں ہوتا تھا" اور اسمیں شک نہیں کہ اکثر گناہوں کی ابتدا فضول نظر اور فضول کلام سے ہوتی ہے اور انسان پر شیطان کا تسلط حاصل کرنے کا ایک بڑا ذریعہ یہی ہے۔ کیونکہ آنکھ اور زبان دو ایسی چیزیں ہیں جو تقریبًا ہر وقت اپنے کام میں لگی رہتی ہیں اور انکی خواہش کا پیمانہ کبھی لبریز نہیں ہوتا برخلاف اسکے پیٹ بھر جائے تو پھر اسکو تسکین ہو جاتی ہے۔ اور علی ہذا القیاس دوسرے قوے اور اعضاء اسلئے آنکھ اور زبان کے استعمال میں بہت خطرہ ہے، اور سلف صالحین نے ان دونوں کے حد ضرورت سے تجاوز کر جانے کو سخت خطرناک بتایا ہے۔ ان کا قول ہے کہ زبان کو عمومًا حبس میں رکھنا ضروری ہے دوسرے اعضاء اسقدر سرکش نہیں۔ ضرورت سے زائد کھانا بھی بہت سے شر کا باعث ہے کیونکہ سیر شکمی سے اعضاء اور جوارح میں گناہ کی طرف میلان پیدا ہوتا ہے اور انسان عبادت کرنے میں سست ہو جاتا ہے بسا اوقات اسی کی وجہ سے انسان بڑے بڑے ثوابوں سے محروم رہتا ہے

پیٹ بھر کے کھانا

لہٰذا جو شخص پیٹ کے شر سے بچا رہے سمجھ لے کہ وہ ایک بڑے شر سے محفوظ رہا شکم سیری کی حالت میں شیطان کو نسبتہً زیادہ غلبہ ہو سکتا ہے اور اسلئے بعض حدیثوں میں ہے کہ شیطان کے نفوذ کو روزہ کے ذریعہ کم کرو" اور آدمی نے کوئی ایسا برتن نہیں بھرا ہے جس کا بھرنا پیٹ کے بھرنے سے زیادہ برا ہو۔ پیٹ بھرنے کی ایک یہی خرابی کافی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے اور تم جانتے ہو کہ انسان ایک گھڑی بھی اللہ کی یاد سے غافل ہو تو شیطان اُسکے دل کو جونک کی طرح چمٹ جاتا ہے اور انواع و اقسام کے وسوسے ڈالکر اُسکا ستیاناس کر دیتا ہے کیونکہ شکم سیری

کیحالت میں انسان کی نفسانی خواہشوں کو تحریک ہوتی ہے اور شیطان اُس پر جلدی قابو حاصل کر سکتا ہے لیکن پیٹ بھرا ہوا نہ ہو تو اُسکی خواہشات میں چنداں اضطراب پیدا نہیں ہوتا اور اسلیئے شیطان کو اُسکے بہکانے کا بہت کم موقع ملتا ہے۔

فصل دہم

مخالطت

معانی

لوگوں کے ساتھ ضرورت سے زیادہ میل جول رکھنا ایک لا علاج بیماری ہے جسکی بدولت کتنی نعمتیں سلب ہوئیں کتنی دشمنیاں پیدا ہوئیں، کتنے کینے دلوں میں جاگزیں ہوئے۔ الغرض مخالطت میں دین و دنیا کا نقصان ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ کسی کے ساتھ ضرورت سے زائد میل جول نہ رکھے۔

لوگوں کی قسمیں: مخالطت کے لحاظ سے لوگوں کو چار قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جن میں اگر اُسنے تمیز کرنا چھوڑ دیا تو یقیناً وہ شر میں مبتلا ہوگا۔

پہلی قسم بمنزلہ غذا: لوگوں کی ایک قسم تو وہ ہے جنکے ساتھ میل جول رکھنا بمنزلہ غذا کے ہے اور اسلیئے اُنکے ساتھ میل جول رکھنا نہایت ضروری ہے، یہ وہ لوگ ہیں جنکو اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام پاک اور سنت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عالم بنایا ہے اور جو اسکے دشمن شیطان کی فریبکاریوں سے واقف ہیں اور امراض قلب کے ماہر ایسے لوگوں کے ساتھ میل ملاپ رکھنے میں سراسر نفع ہے، لیکن ان کا وجود بریت احمر سے بھی زیادہ کمیاب ہے۔

دوسری قسم بمنزلہ ادویہ: دوسری قسم وہ ہے جسکی مثال ادویہ کی ہے کہ جبتک تندرست ہو تم کو اسکی مطلق ضرورت نہیں، البتہ مرض کی حالت میں بقدر ضرورت اسکا استعمال ضروری ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنکے ساتھ تمہارے دنیوی اغراض وابستہ ہیں کیونکہ انسان کو مدنی الطبع پیدا کیا گیا ہے اور اسلیئے وہ اپنی ضروریات پورا کرنیکے لیئے دوسروں کے ساتھ

تعلقات رکھنے پر مجبور ہو۔ اس قسم کے آدمی کے ساتھ میل جول رکھنے میں اس ترین اصول پر عمل پیرا ہونا چاہیئے کہ الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ جو بات کسی خاص ضرورت کی وجہ سے قبول کی جائے وہ ضرورت کی حدود تک محدود رہتی ہے۔

تیسری قسم بمنزلہ مرض: تیسری قسم وہ ہے جنکے ساتھ میل جول رکھنا بمنزلہ مرض کے ہے اور جس طرح بیماریوں کی مختلف قسمیں ہیں بعض ان میں سے مہلک اور بعض مزیل صحت ہوتی ہیں، اسی طرح ان لوگوں کی مُضر صحبت کا مختلف اثر ہوتا ہے بعض کی مثال لاعلاج بیماری اور مرض مُزمن کی ہے جسکا انجام ہلاکت ہے؛ یہ وہ لوگ ہیں جن کی صحبت میں تم کوئی دینی یا دنیاوی فائدہ حاصل نہیں کر سکتے بلکہ اُلٹا اُنکی صحبت دین و دنیا کا نقصان ہے۔ اُن کی مخالطت مرض الموت کا حکم رکھتی ہے بعض کی مثال ڈاڑھ کے درد کی ہے کہ جب تک ڈاڑھ نکال نہ دو گے آرام نہیں ملیگا، بعض انمیں سے روح کیلئے تپ کا حکم رکھتے ہیں، یہ وہ گراں جان اشخاص ہیں جنکو نہ تو بات کرنیکا سلیقہ ہے کہ جسکو سُن کر تم کو کسی قسم کا فائدہ ہو اور نہ وہ خاموش رہ کر تمہارا کلام سُننے کی تکلیف گوارا کرتے ہیں تاکہ اُن کو تم سے کچھ فائدہ ہو؛ اُنکو اپنی حیثیت کی بھی پہچان نہیں اسلیئے کہ وہ خود پسند واقع ہوئے ہیں۔ جب وہ بات کرتے ہیں تو اُنکے مُنہ سے پھول جھڑتے ہیں[1]۔ اور جب وہ چپ رہتے ہیں تو اُن کا وجود ایسا معلوم ہوتا ہے گویا تمہارے سینہ پر چکی کا پاٹ رکھا ہے۔ ایک دن میں نے اپنے شیخ (علامہ ابن تیمیہ رح) کے پاس اس قسم کا ایک آدمی بیٹھا ہوا دیکھا تو آپنے فرمایا "چوتھیا تپ" ہے[2]؛ اسکے بعد آپنے فرمایا ہماری طبیعتیں اس ناگوار بوجھ کو برداشت کرتے کرتے اب اسکو ہلکا سمجھنے لگی ہیں۔ اور دنیا کے دیگر مصائب آلام میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس قسم کے شخص یا اشخاص کے ساتھ آدمی کو واسطہ پڑے اور لزوماً اُنکے ساتھ میل جول رکھنا پڑے۔ ایسی حالت میں انسان کو چاہیئے کہ اُنکے ساتھ بہت اچھی طرح سے پیش آئے اور اپنی خوش اخلاقی کو نہ چھوڑے یہانتک کہ اللہ تعالیٰ اُسکو اس بلا سے مخلصی عنایت فرمائے۔ وَهُوَ عَلَىٰ مَا يَشَاءُ قَدِيرٌ۔

---

[1] اصل کتاب میں تو کچھ اور لکھا ہے۔ فافہم (مترجم)

[2] بیشک ع روح را صحبت ناجنس عذابے ست الیم۔ (مترجم)

چوتھی قسم بمنزلہ ہلاکت: چوتھی قسم وہ ہے جس کی مخالطت کا نتیجہ قطعی ہلاکت ہو اور اُن کی مثال زہر کی ہے۔ اسلئے اگر کسی کی خوش نصیبی سے اسکو تریاق ملجائے تو زہے سعادت! ورنہ معاملہ سخت ہے۔ اس سے میرا مقصد اہل بدعت وضلالت ہیں جو لوگوں کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کریمہ کے اتباع سے روکتے ہیں۔ بدعت اور خلاف سنت کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں سُنت انکی نظر میں بدعت ہے اور بدعت سنت، معروف کو منکر اور منکر کو معروف کہتے ہیں۔ اگر تم خدائے پاک کی خالص توحید بیان کرو تو وہ کہتے ہیں کہ تم نے اولیاء اللہ کی شان گھٹا دی اور اگر تم خالص سنت کا اتباع کرو تو کہتے ہیں کہ تم امامانِ دین کے دشمن ہو۔ اگر تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے کلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی طرف بلاؤ تو وہ تم کو منتشر خیال کرینگے۔ اور اگر تم ان سے تمام تعلقات کو منقطع کر کے انکو دنیا کے مُردار پر لڑتا ہوا چھوڑ دو تو تم کو اہل تلبیس ہونے کی تہمت دینگے، لیکن یاد رکھو کہ اگر تم نے انکو راضی رکھنے کا خیال کر کے انکی نفسانی خواہشوں اور بدعت آرائیوں کی پیروی اختیار کی تو تم آخرت میں خاسرین کے زمرہ میں داخل ہوگے اور باینہمہ وہ بھی ہرگز تم سے راضی نہیں ہونگے بلکہ تم کو منافق کہیں گے اسلئے میں تم کو نہایت مؤکد نصیحت کرتا ہوں کہ تم انکے ناخوش ہونے کی کچھ بھی پروا نکرو بلکہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کی خوشنودی حاصل کرنے میں کوشاں ہو۔ وَاللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَن يُرْضُوهُ إِن كَانُوا مُؤْمِنِينَ ۔ اگر وہ درحقیقت مومن ہیں تو اللہ اور اسکے رسول کی خوشنودی حاصل کرنا سب سے مقدم ہے۔ تم کو انکی مدح وذم پر مطلق التفات نہیں کرنا چاہیئے اور اپنی دھن میں لگا رہنا چاہیئے۔ ایک شاعر نے کیا ہی اچھا کہا ہے ؎

وقد زادہ لی حبًا لنفسی انّنی ‏ بغیضٌ الی کل امرءٍ غیر طائل[1]

واذا اتتک مذمتی من ناقص ‏ فھی الشھادۃ لی بانی فاضل[2]

والحمد للہ تعالیٰ اولاً و آخراً و ظاھراً و باطناً

تمت بالخیر

---

[1] مجھے اپنی قدر اس سے معلوم ہوئی کہ فضیلت نہ رکھنے والے لوگ مجھ کو اپنا دشمن خیال کرتے ہیں۔ [2] اور جب ایک ناقص شخص تیرے پاس میری مذمت کی تو سمجھ لے کہ یہی میرے فاضل ہونے کی شہادت ہے۔ وفقنا اللہ تعالیٰ لمرضاتہ آمین۔

مطبوعہ کریمی پریس لاہور باہتمام میر قدرت اللہ صاحب پرنٹر و پبلشر

مطبوعاتِ الہلال بک ایجنسی لاہور

(۷) **کتاب الوسیلہ** مصنفہ امام ابن تیمیہؒ مترجمہ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی۔ کتاب الوسیلہ محض لفظ "وسیلہ" ہی کی بحث نہیں بلکہ اسلام کے اصل الاصول "توحید" پر نہایت جامع اور مستند کتاب ہے۔ اس میں توحید کی پُرجوش دعوت ہے، شرک کے سر پر مہلک ضرب ہے، بدعت و جمود کے گلے پر چھری ہے۔ یہ ہیرا جس کانچ پہ رکھا جائیگا، ریزہ ریزہ کر دیگا۔ شفاعت حقہ اور شفاعت باطلہ، قبر پرستی، قبر پرستی کے متعلق جھوٹی روایات و حکایات وغیرہ افعال کی نسبت ائمہ اربعہ رحؒ کے مسلک، مذاہب اور اُن کے اقوال، ندائے غیر اللہ اور اسی قسم کے دیگر اہم مضامین پر ایسی تفصیلی بحث ہے کہ ہر پہلو پر مفصل و مدلل روشنی ڈالی گئی ہے۔ قیمت ۸ر مجلد ۱روپے ۴ر

(۸) **الدین یسر**۔ صفت نام سے ظاہر ہے۔ ایک مصری عالم شیخ محمد ابو زید کے قلم سے۔ قیمت ۳ر

(۹) **تفسیر آیت کریمہ**۔ (مصنفہ امام ابن تیمیہؒ) مترجمہ مولانا عبدالرحیم پشاوری۔ آیہ "لا الٰہ الا انت سُبحانک انی کنت من الظالمین" کی نہایت جامع تفسیر ہے۔ قیمت ۱۲ر

(۱۰) **تفسیر المعوذتین**۔ (مصنفہ حافظ ابن قیم الجوزی شاگرد امام ابن تیمیہؒ) مترجمہ مولانا عبدالرحیم پشاوری۔ سورۂ فلق اور سورۂ والناس کی نہایت جامع اور بے نظیر تفسیر ہے۔ قیمت عہ ر

(۱۱) **سیرۃ امام ابن تیمیہؒ** مصنفہ چوہدری غلام رسول مہر بی اے رئیس التحریر روزنامہ انقلاب لاہور ۹ر

(۱۲) **الفرقان بین اولیاء اللہ و اولیاء الشیطان**۔ تصنیف مولانا ابوالکلام آزاد۔ دُنیا کی دو متضاد قوتوں: خیر و شر، حق و باطل اور نور و ظلمت کے خصائص و اعمال اور اُن کے نتائج و عواقب کی حقیقت پر ایک تفصیلی بحث ہے۔ آیات و احادیث بطور ثبوت پیش کی ہیں۔ قیمت ۴ر

(۱۳) **ایلاؔ و تخییر**۔ از مولانا ابوالکلام آزاد۔ رسول اللہ صلعم کے واقعہ "ایلا" آیت تخییر کا شانِ نزول اور سورۂ تحریم کی تفسیر وغیرہ، تفسیر، حدیث اور تاریخی مضامین پر ایک نہایت نفیس اور مشترک بحث ہے خصوصاً مغربی تعلیم کے شیفتہ و دلدادہ جوانوں کے لئے ایک مستقل درسِ بصیرت و موعظت ہے۔ قیمت ۸ر

(۱۴) **حقیقۃ الصلوٰۃ**۔ از مولانا ابوالکلام آزاد۔ نماز جیسے اہم فرض کی حقیقت پر جسکی پابندی میں ہر مسلم کو ہر روز پانچ مرتبہ خدائے برتر و توانا کے دربار میں حضوری کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ مؤثر بحث ہے قیمت ۳ر

(۱۵) **الحرب فی القرآن**۔ از مولانا ابوالکلام آزاد۔ یہ کتاب مبحث حرب پر قرآنی نقطۂ خیال سے نہایت بے نظیر مرقع ہے۔ قرآن حکیم سے جنگ کی حقیقت نہایت شرح و بسط کے ساتھ واضح کی گئی ہے اور دکھلایا ہے کہ جاہلیت میں عرب جنگ کو کیا سمجھتے تھے اور اُنہوں نے اسکا کیسا نمونہ پیش کیا؟ پھر اسلام نے اس کے تمام مفاسد و نقائص کو مٹا کر کس طرح سے اُسے ناگزیر مواقع پر نہایت کم مضرت رساں بنا دیا اسی ضمن میں جہاد پر ایک حقیقت افزا بحث کی گئی ہے قیمت ۱ر

(۱۶) **نجد و حجاز**۔ آویزش نجد و حجاز، شریف حسین کی غداری، سلطان ابن سعود کے حملۂ حجاز کی مکمل حالات عہ ر

(۱۷) **صبحِ سعادت**۔ نمبر۱ ۸ر نمبر۲ ۸ر نمبر۳ ۸ر نمبر۴ ۸ر نمبر۵ عہ نمبر۶ ۸ر

الہلال بک ایجنسی کشمیری بازار لاہور سے طلب کریں

الہلال بُک ایجنسی کا نادر سلسلۂ تراجم

دینی علوم کے بیش بہا جواہر ریزے

اِس ایجنسی کے پیش نظر اُن اعلیٰ، نادر اور بلند پایہ عربی تصانیف کے اُردو تراجم ہیں، جن کا مطالعہ صلاح عقاید اسلام اور اخذ و فہم حقیقت اسلامیہ کے لئے نہایت ضروری اور ناگزیر ہے۔ اِس سلسلہ میں جس امام احسن، جس مومن کامل، جس مجاہد حق اور جس یکہ تاز مقامات علم و عمل شخصیت کی بعض اہم تصانیف کے تراجم کی تکمیل ایجنسی ہذا کی مساعی کا مرکز و محور ہے، وہ شیخ المصلحین، ملاذ المجددین، سند الکاملین، امام العارفین، وارث الانبیاء، قدوۃ الاولیاء حضرت شیخ الاسلام تقی الدین ابی العباس احمد بن تیمیہ رضی اللہ عنہ کا وجود مبارک ہے۔ اس مقام پر یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ امام ممدوح کی بلندیٔ منصب اور رفعت منزلت کی حقیقت کیا ہے، اِس لیئے کہ اُن کی تصانیف اُردو کے لباس میں عامۃ الناس کے سامنے آجائینگی تو حقیقت خود بخود آشکارا ہو جائیگی، لیکن جن حضرات کو اس بارے میں تفصیلی بحث دیکھنے کی خواہش ہو، وہ حضرت مولانا ابو الکلام کے تذکرہ میں شرح مقام عزیمت و دعوت اور مولانا چودھری غلام رسول مہر بی اے رئیس التحریر روزنامۂ انقلاب لاہور کی "سیرۃ امام ابن تیمیہؒ" ملاحظہ فرمائیں۔ کیونکہ اُن کے مضامین کا ایک بہت بڑا حصہ امام موصوف کے فضائل و مناقب اور وظیفۂ حیات کے بہترین کارناموں پر مشتمل ہے۔ اسی ضمن میں شیخ الاسلام کے تلمیذ رشید حافظ ابن القیمؒ اور اسی جلیل و عظیم صف کے بعض دوسرے بزرگوں کی تصانیف کے تراجم شائع کرنا اور انہیں عام رواج دینا بھی ہمارے خاص مقصد میں داخل ہے۔

اس سلسلہ میں حسب ذیل کتابیں زیور طباعت سے آراستہ و پیراستہ ہو کر شائع ہو چکی ہیں:-

(۱) **اُسوۂ حسنہ** حافظ ابن قیمؒ کی مشہور کتاب زاد المعاد کے اختصار ہدی الرسول کا اُردو ترجمہ

(۲) **العروۃ الوثقیٰ** شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے رسالہ "الواسطہ بین الخلق والحق" کا اُردو ترجمہ

(۳) **اصحاب صفہ** " " کی اسی نام کی عربی کتاب کا اُردو ترجمہ

(۴) **کتاب الوسیلہ** " " کی کتاب "التوسل والوسیلہ" کا اُردو ترجمہ

(۵) **تفسیر سورۃ الکوثر** " " کی کتاب "تفسیر سورۃ الکوثر" کا اُردو ترجمہ

(۶) **ائمہ اسلام** مصنفہ امام ابن تیمیہؒ کا اُردو ترجمہ۔ (۷) **خلاف الامہ** مصنفہ امام ابن تیمیہؒ کا اُردو ترجمہ

(۸) **نجد و حجاز**۔ علامہ سید رشید رضا ایڈیٹر "المنار" مصر کے عربی مضامین کا اردو ترجمہ۔

(۹) **تفسیر آیت کریمہ** مصنفہ امام ابن تیمیہؒ کا اُردو ترجمہ (۱۰) **تفسیر المعوذتین** مصنفہ حافظ ابن قیمؒ کا اُردو ترجمہ

علاوہ ازیں اکثر کتابوں کے تراجم مکمل ہو چکے ہیں اور بعض زیر غور ہیں اور انشاء اللہ یہ جلد چھپ کر ہدیۂ ناظرین ہونگے۔

المشتہر: مینجر الہلال بک ایجنسی کشمیری بازار لاہور